حیات الاموات

خصوصاً

حیات النبی ﷺ سید الکائنات

سید نور الحسن بخاری

محترم قارئین

اس کتاب کو پی ڈی ایف کرنے کا مقصد
ہی یہی تھا کہ حیات النبی (ص) کے عنوان
پر جو لوگ عوام کو آج گمراہ کر رہے ہیں
ان کے اصل عقائد آپ لوگوں کے سامنے
رکھے جائیں جو کہ آپ اس کتاب کے
مطالعہ سے سمجھ جائیں گے ان شاءاللہ
دعاؤں کا طالب

طیب اللہ طیب ڈیروی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ



اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی۔ اَمَّا بَعۡد!

حق و باطل کی باہمی کشمکش و ستیزہ کاری روزِ آفرینشِ عالم سے جاری ہے اور یہ کوئی نئی چیز نہیں۔ ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی!

ایک گونہ یہ چیز فطری ہے۔ لہٰذا اس پر کوئی خاص غم واندوہ اور رنج و ملال نہیں، ہاں دل و جگر گداز کیوں نہ ہوں اور آنکھ خون کے آنسو کیوں نہ روئے؟ جب حق، حق سے متصادم ہو اور باطل کی باچھیں خوشی سے کھل رہی ہوں اہلِ حق باہم گردست بگریباں ہوں اور اہلِ باطل ان پر خندہ زن! باہمی حرب و ضرب سے حق کی طاقت گھٹ رہی ہو۔ اس کی قوت و توانائی روبہ انحطاط و تنزل ہو اور باطل کا زور و غلبہ روز افزوں ترقی پذیر!

دار العلوم دیوبند! دینِ اسلام کی صحیح تفہیم و تعبیر، اعتصام بالکتاب، اتباعِ سنّت، اتخاذ مسلکِ اہلِ سنّت اور وابستگی بداماںِ سلفِ امّت کا نام ہے، دیوبندیت! اور دار العلوم دیوبند! افراط و تفریط سے پاک، غل و غش سے منزّہ، بدعت و احداث سے محفوظ، رائے و ہوا کی مداخلت سے مبرا، حضراتِ صحابہؓ کرام سے مروی و منقول، سلف صالحینؒ کے معمول بہ و متوارث، دین و شریعت، افکار و علومِ نبوّت اور معارف و حقائق قرآنی کا مرکزِ تعلیم و اشاعت ہے۔ گویا دینِ اسلام و مسلکِ اہلِ سنّت کی ایک محسوس و مجسّم علامت! بلند و بالا زندہ و پائندہ، غیر فانی اور امٹ علامت!

امّتِ مسلمہ کی علمی تاریخ میں دار العلوم دیوبند کا ایک خاص، منفرد اور قابلِ رشک مقام ہے، دار العلوم دیوبند علم و عرفان کی دنیا میں ایک ناقابلِ فراموش و یادگار کردار ہے۔ اور اس مادرِ علم کے بارِ احسان سے فرزندانِ توحید پاک و ہند کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے، بلکہ مسلمانانِ عالم کی گردن اس کے بارِ منّت سے ہمیشہ خم رہے گی۔

جس مادرِ علمی کا ماضی اس درجہ روشن و تابناک، درخشندہ و تابندہ ہو کہ عالم اسلام اس کے انوار و لمعات

سے منور و مستنیر ہو جگمگا رہا ہو۔ آج اس کے فرزند اگر مسئلہ حیات النبیؐ پر باہم گرمتصادم و متحارب ہوں تو جگر لخت لخت، دل داغ داغ اور چشم نمناک کیوں نہ ہو۔

ماضی قریب میں اس مسئلہ پر پاکستان کے اہلِ حق و فرزندانِ توحید دو نیم ہو کر رہ گئے۔ وحدتِ اہلِ سنّت پارہ پارہ ہو گئی۔ کراچی سے پشاور تک میدانِ جدال و قتال اور ہنگامہ کارزار گرم تھا جس سے اہلِ حق کو جو عظیم نقصان و شدید صدمہ پہنچا، اس پر کون سا دردمند دل ہے جو سیماب وار نہ تڑپا ہو اور کون سی آنکھ ہے جو اشکبار نہ ہوئی ہو۔؟

اللہ ربّ العزت مہتمم دار العلوم دیو بند، مخدوم العلماء، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدّظلّہ العالی کو عمرِ خضر و جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپ نے سفر کی زحمت و صعوبت برداشت کر کے پاکستان قدم رنجہ فرمایا، اور انتہائی دردمندی و دلسوزی کے ساتھ، شدید انہماک و توغل اور جہدِ مسلسل سے وہ خطرناک نزاع و خلاف ختم کیا، فریقین میں مصالحت کرا دی اور خدا خدا کر کے ایک فتنۂ عظیم ختم ہوا۔ والحمد للہ علیٰ ذلک حمداً کثیراً۔

اسے اہلِ حق کی بدقسمتی اور مسلمانوں کی واژگوں نصیبی نہ کہئے تو کیا کہئے کہ چند ہی سال بعد گوشتہ برس وہ آتشِ خلاف پھر بھڑک اٹھی۔ اور وطنِ عزیز کے بعض حصوں میں امن و سکون مبدّل بہ فتنہ و فساد ہو گیا، ضلع بہاولپور کے بعض دیہات میں تو بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہو گیا باپ بیٹے میں ان بن ہو گئی حتیٰ کہ زن و مرد میں ٹھن گئی!

اس دردناک و الم انگیز اور دلخراش و جگر گداز صورتِ حالات سے ملّت کے علمی و دینی حلقے لازمی طور پر متاثر و متالم ہوئے، ماحول کی سنگینی نے دردمند و حساس قلوب و اذہان کو ایک جگہ مل بیٹھنے اور اس سلسلہ میں کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔

پچھلے سال غالباً ربیع الثانی (۱۳۹۶ھ) میں مرکزی دفتر تنظیم اہلسنّت (ملتان) میں پاکستان کی دینی جماعتوں ——— تنظیم اہلسنت، جمیعت علماء اسلام وغیرہ اور خیر المدارس ملتان وغیرہ دینی مدارس کے نمائندہ اکابر علماء کا اجتماع ہوا جس میں اصلاحِ احوال کے سلسلہ میں ایک امر یہ بھی طے پایا کہ میں ——— نور الحسن بخاری ——— اس موضوع پر ایک مختصر کتاب شائع کروں جس سے مسئلہ مدلّل طور پر منقح ہو جائے۔

چونکہ اس مسئلہ سے متعلق سابقہ "جہادِ عظیم" میں تو تنظیم اہل سنت "غیر جانبدار" رہی تھی، لہٰذا اس موضوع پر میرا مطالعہ نہ ہونے کے برابر تھا اور نہ ہی میرے پاس اس مسئلہ سے متعلق علمی مواد تھا۔ لہٰذا میں نے

اس مجلس میں بار بار معذرت کی جو کسی صورت قبول نہ ہوئی اور بالآخر ان حضرات کے شدید اصرار پر مجھے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔

ذمہ داری تو میں نے قبول کر لی مگر اپنی طبعی سستی و کاہل انگاری اور کچھ علالت و بیماری اور زیادہ اس موضوع پر عدم عبور کے باعث بہت دنوں تک آغازِ کار کی جرأت نہ کر سکا۔ مگر صدر تنظیم اہلسنت حضرت علامہ تونسوی مدظلہٗ کے مسلسل تقاضوں پر آخر اللہ کا نام لے کر کام شروع کر دیا۔

حضرت مہتمم صاحب خیر المدارس نے از راہِ کرم متعلقہ کتابیں فراہم فرما دیں۔ اللہ رب العزت نے توفیق عطا فرمائی اور چند ماہ میں بفضلہ و بعونہ تعالیٰ جو تھوڑی بہت خدمت بن پڑی وہ ہدیۂ قارئین کرام ہے۔

مسئلہ کے تمام گوشوں کو نوں کو دیکھنے بھالنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اصل مسئلہ میں فی الاصل کوئی تحقیقی اختلاف نہیں۔ ویسے اگر کسی کو لڑنا جھگڑنا اور اپنی دوکان چمکانا مقصود و مطلوب ہو تو دوسری بات ہے۔ بہر حال میں نے غیر جانبداری و بے تعصبی سے کام لے کر خلوصِ نیت کے ساتھ اپنے دینی بھائیوں کی خیر خواہی کے جذبہ اور اپنی نجاتِ آخرت کی طلب و آرزو اور عند اللہ مسئولیت و جوابدہی کے احساس کے تحت جو خدمت انجام دی ہے۔ دعا فرمائیں خدا اسے قبول فرمائے اور میری نجات کا وسیلہ اور برادرانِ اہلِ سنت کی ہدایت کا ذریعہ بنا دے۔ آمین۔

کیا یہ مسئلہ عقائدِ ضروریہ میں سے ہے؟

جس مسئلہ پر پاکستان کے اہلِ حق باہمد گر دست گریباں ہیں اور مسلکِ حق کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس مسئلہ کی نوعیت و حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ ضروری اور بنیادی دینی عقائد میں سے ہے یا غیر ضروری عقائد میں سے؟

بانیٔ دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:۔

گو عقیدہ تو یہی ہے۔۔۔ مگر اس عقیدہ کو عقائدِ ضروریہ میں سے نہیں سمجھتا نہ تعلیم ایسی باتوں کی کرتا ہوں نہ منکروں سے دست و گریباں ہوتا ہوں۔۔۔ آپ اس امر کو ملحوظ رکھیں تو بہتر ہے (لطائفِ قاسمی ص)

مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ تحریر فرماتے ہیں:۔

حیاتِ دنیوی ظاہری کا تو دنیا میں کوئی بھی قائل نہیں۔ جو بھی قائل ہیں حیاتِ برزخی کے قائل ہیں۔ اب اس کی تنقیحات میں عوام کو الجھانا میری سمجھ میں نہیں آتا اس وقت جبکہ لوگ کھلے کفر میں مبتلا ہو رہے ہیں اس تدقیق میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟۔۔۔ حضراتِ دیوبند بلا ضرورت اس قسم کے زائد مباحث میں الجھنے اور عوام کو الجھانے سے مجتنب رہتے ہیں اور اسی کو میں اسلم سمجھتا ہوں۔ واللہ اعلم[1]

پھر مسئلہ حیاتِ موتٰی کا ہے، نہ کہ حیات النبیؐ کا!

اوّل تو یہ مسئلہ عقائدِ ضروریہ سے نہیں، دوسرے غلط عنوان دے کر اسے الجھا دیا گیا ہے۔ عام طور پر اس مسئلہ پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان کا عنوان حیات النبی ہے یا حیات الانبیاء مثلاً۔ علّامہ خالد محمود کی "مدارک الاذکیاء فی حیات الانبیاء" حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب کی "مسالک العلماء فی حیات الانبیاء" علّامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی "انباء الاذکیاء بحیوٰۃ الانبیاء" امام بیہقی رحمہ اللہ کی "حیات الانبیاء" وغیرہا

اس عنوان سے عام طور پر بحث کا رُخ حضرات انبیاء علیہم السلام خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھر گیا ہے غلط طور سے حیات النبیؐ کی بحث چھڑ گئی ہے۔ اور حضور کریمؐ کی ذاتِ پاک معرضِ بحث میں آگئی ہے۔

حالانکہ بحث اصلاً نبیؐ کریمؐ کی ذات پاک کی نہیں بلکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور حضرات شہداء و اولیاء رحمہم اللہ حتّٰی کہ عام مسلمانوں کی حیات کی بھی نہیں، دراصل بحث ہے تو عام موتٰی کی حیات کے متعلق ہے جن میں کفار و مشرکین اور منافقین تک شامل ہیں۔

اسی کتاب میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ نصوصِ صریحہ سے عام موتٰی کی حیات اور ان کا سماعِ سلام و کلام تک ثابت ہے جب عام مُردوں کو بعدِ وفات ایک گونہ حیات حاصل ہے تو حضرات انبیاء علیہم السّلام خصوصاً نبیؐ کریمؐ کی حیاتِ طیبہ میں اختلاف کا سوال کیسے پیدا ہو گیا؟ علیٰ ہٰذا اگر عام موتٰی زائر کا سلام سنتے ہیں تو نبیؐ کریمؐ کے سماعِ سلام و جواب میں بحث و کلام کیوں فضول و نامعقول نہ ہو گا؟

البتہ مردوں کی زندگی اور موتٰی کے سماعِ سلام وغیرہ پر انسانی ذہن کو دھچکا ضرور لگتا ہے کہ موت تو نام ہی حیات کی نفی کا ہے پھر موت کے بعد حیات، مُردوں کی زندگی اور موتٰی کے سماع کے کیا معنٰی؟ عقلِ انسانی اس عنوان سے متوحش و متحیر ہوتی ہے اور ایک عام سمجھ دار انسان فوراً اس کے انکار پر تُل جاتا ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ دین کی اساس و بنیاد عقل و خرد پر قائم و استوار ہے؟ یا فرمانِ خدا و رسولؐ پر؟ اگر دین عقلِ انسانی کی تگ و تاز کا نہیں بلکہ اتباعِ کتاب و سنّت کا نام ہے اور اسلام عقل کی غلامی سے نہیں بلکہ ارشادات و احکاماتِ خدا و رسولؐ کو بلا ادنیٰ تامّل و تردّد بسر و چشم تسلیم کر لینے سے عبارت ہے، تو پھر موت کے بعد حیات، موتٰی کا علم و احساس اور مُردوں کا سماع و ادراک سب صحیح ہے اور ایک مسلمان کیلئے اس میں ذرہ بھر شک و شبہ کی گنجائش نہیں، کیونکہ یہ سب کچھ احادیثِ صحیحہ متواترہ سے ثابت ہے اور ہم اس پر آنکھیں بند کر کے ایمان لاتے ہیں خواہ یہ ہماری عقل اور سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

ہم نے کلمہ عقل کا نہیں بلکہ خدا اور رسولؐ کا پڑھا ہے، صلی اللہ علیہ وسلم۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

سیّد نور الحسن بخاری، دار التصنیف والاشاعت



برزخ، قبر اور عذاب و ثواب قبر

اصل بحث تو مسئلہ حیات النبیؐ سے متعلق ہے۔ یعنی نبی کریمؐ کی حیات فی القبر سے متعلق! برزخی زندگی سے متعلق! لیکن اگر پہلے برزخ، قبر اور عذاب قبر کے بارے میں کچھ عرض کر دیا جائے تو ناموزوں نہ ہوگا۔

برزخ برزخ کے معنیٰ دو چیزوں کے درمیان حدِ فاصل اور روک کے ہیں "مفردات القرآن" امام راغبؒ اصفہانی)

برزخ دو چیزوں کے درمیان کی حد، روک حائل، عالم برزخ موت سے حشر تک کے عالم کا نام ہے۔ ("لغات القرآن" جلد دوم ص ۲۸)

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ہ (پارہ ۱۸۔ سورہ مومنون)	اور ان کے پیچھے برزخ ہے۔ (جہاں وہ) اس دن تک کہ (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے (رہیں گے)

تو برزخ موت کے بعد سے قیامت تک کے درمیانی دور، عہد، زمانہ اور مدت کا نام ہے۔ اس دور میں دنیا والوں سے پردہ ہو جاتا ہے۔ اور آخرت بھی پوری طرح سامنے نہیں آتی۔ اس لئے اسے برزخ کہتے ہیں۔ قبر اس عالم برزخ کی پہلی منزل ہے۔ گویا میت کے لئے قبر اور برزخ دونوں ظرف ہیں۔ برزخ ظرف زماں اور قبر ظرف مکاں۔

قبر قبر اس مقام کو کہتے ہیں جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے۔ قرآن و حدیث میں عموماً اسی مدفن پر قبر کا اطلاق ہوا ہے۔ مثلاً نبی کریمؐ کو ارشاد فرمایا گیا۔

۱:۔ وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ (پارہ ۱۰۔ سورۃ توبہ)	اور اس (کافر، منافق) کی قبر پر کھڑے نہ ہوں۔
۲:۔ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ہ (پارہ ۳۰، سورہ انفطار)	اور (قیامت کے دن) جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی،

۳:۔ بروایت حضرت انسؓ ارشاد فرمایا، صلی اللہ علیہ وسلم۔

اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ ہ (متفق علیہ "مشکوٰۃ المصابیح" باب عذاب القبر۔	بے شک بندہ جب اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

امام راغب اصفہانی نے قبر کے معنی مَقَرُّ الْمَیِّت کئے ہیں یعنی جس جگہ میت کو دفن کیا جاتا ہے مردہ کی جائے قرار (مفردات القرآن)

عذاب وثواب قبر

قبر کے عذاب وثواب پر تمام اہلِ سنت متفق ہیں، ان کے نزدیک عذاب قبر حق ہے۔ یہ کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حق فرمایا ہے

۱:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے عذاب قبر کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا نَعَمْ عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ، ہاں قبر کا عذاب حق ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اس کے بعد میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہو۔

اِلَّا تَعَوَّذَ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ[1]	مگر عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ مانگی۔

۲:۔ بروایت حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما ارشاد فرمایا:۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

جب مسلمان سے قبر میں (خدا اللہ رسول کے متعلق) سوال کیا جائے گا وہ گواہی دے گا کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ یہی اس کا (وہ) قول ہے (جس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ

یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ[2]	مضبوط رکھتا ہے اللہ ایمان والوں کو پکی بات (کلمہ طیبہ کی برکت) سے دنیا اور آخرت (دونوں جہانوں) میں!

منکر اور نکیر

منکر ونکیر دو فرشتے ہیں جو قبر میں مرنے والے سے سوال کریں گے،

۳:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب میت کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو دو نیلی آنکھوں والے سیاہ فرشتے منکر اور نکیر اس کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا تھا وہ جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پھر اس کی قبر ستر ستر ہاتھ کشادہ کر دی جاتی ہے اور اسے منور کر دیا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے (آرام سے) سو جاؤ...... یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ اسے اس جگہ سے دوبارہ زندہ کر کے کھڑا کریں گے اور اگر منافق ہوگا تو (سوالوں کے) جواب میں کہے گا میں نہیں جانتا پس اس پر زمین تنگ ہو جائے گی اور اس کی پسلیاں باہم گھر پیوست

---

[1] متفق علیہ (مشکوٰۃ المصابیح) باب اثبات عذاب القبر، [2] متفق علیہ۔ ایضاً۔ متفق علیہ اس حدیث کو کہتے ہیں جسے امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ دونوں نے اپنی اپنی صحیح (کتاب) میں روایت کیا۔

ہو جائیں گی پس وہ ہمیشہ عذاب رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس جگہ سے دوبارہ اٹھا کر کھڑا کریں گے۔ [1]

۴۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (قبر میں) میت کے پاس دو فرشتے آئیں گے اور اسے اٹھا بٹھائیں گے اور اس سے پوچھیں گے مَنْ رَّبُّكَ؟ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا رَبِّیَ اللّٰہُ میرا رب اللہ ہے۔ پھر کہیں گے تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا میرا دین اسلام ہے۔ پھر کہیں گے یہ شخص کون ہے جو تمہاری طرف مبعوث کیا گیا وہ کہے گا وہ رسول اللہ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم ..... پس آسمان سے ایک منادی کرے گا کہ میرے بندے نے سچ کہا پس اس کے لئے جنت سے بستر بچھاؤ اور جنت سے لباس (لے کر) اسے پہناؤ۔ اور جنت کی طرف اس کے لئے ایک دروازہ کھول دو۔ چنانچہ وہ دروازہ کھول دیا جائے گا اور جنت کی ہوائیں اور خوشبو اس کے پاس آئے گی اور حد نگاہ تک اس کے لئے قبر کشادہ کر دی جائے گی۔ اور کافر کی روح اس کے جسد میں لوٹا دی جائے گی اور فرشتے اسے بٹھا کر (وہی) سوال کریں گے تو وہ مبہوت ہو کر جواب دے گا لَا اَدْرِیْ میں نہیں جانتا۔ تو آسمان سے منادی ہوگی کہ اس کے لئے جہنم سے بستر بچھا دو اور آگ کا لباس پہنا دو۔ اور اس کے لئے جہنم کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ چنانچہ اس کے پاس دوزخ کی گرمی اور سخت گرم ہوا آتی رہے۔ اور اس پر قبر تنگ کر دی جائے گی۔ یہاں تک کہ اس کی پسلیاں باہم دگر پیوست ہو جائیں گی ... [2]

قرآن کریم میں عذاب برزخ کا ثبوت

احادیث پاک بسر و چشم۔ خود کتاب اللہ قرآن کریم سے بھی عذاب قبر ثابت ہے۔ مثلاً

۱۔ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْہَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ اَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝

(پارہ ۲۴۔ سورہ مومن)

آگ ہے کہ وہ صبح و شام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا) فرعون والوں کو عذاب شدید (جہنم) میں داخل کرو۔

جہنم میں تو فرعون اور فرعونیوں کو قیامت کے دن ڈالا جائے گا اور اس سے پہلے عالم برزخ

---

[1] رواہ الترمذی "مشکوٰۃ المصابیح" باب اثبات عذاب القبر [2] رواہ احمد و ابوداؤد "مشکوٰۃ المصابیح" باب اثبات عذاب القبر

میں ہر روز صبح و شام انہیں جہنم میں اپنا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے۔ تاکہ عذابِ جہنم کا کچھ مزہ ابھی سے چکھتے رہیں۔

اسی طرح قوم نوح ؑ کے متعلق فرمایا گیا۔

۲ ۔ مِمَّا خَطِيْئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا (پارہ ۲۹ - سورہ نوح)

اپنے گناہوں کے سبب وہ (طوفان میں) غرق کئے گئے۔ پھر (برزخ کی) آگ میں ڈالے گئے۔

قبر سے مراد یہی حسّی قبر ہے یا عالم برزخ

قبر اور برزخ قرآن وحدیث کے بعد آثار وارشاداتِ صحابہ اور اقوالِ محدثین و فقہاء رضی اللہ عنہم میں لفظ قبر کا اطلاق انہی حسّی قبروں پر ہوا ہے۔

البتہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو یہ قبر حقیقی نصیب ہی نہیں ہوتی۔ کسی کو جنگل کے درندے یا دریا کے مگرمچھ اور سمندر کی وہیل مچھلیاں ہڑپ کر جاتی ہیں بعض دریا میں غرق ہو کر گل سڑ جاتے ہیں یا آگ میں جل بھن کر خاکستر بن جاتے ہیں تو اس صورت میں بھی وہ سب عذابِ قبر سے نہیں بچ سکتے جہاں جہاں بھی ان کے ذرات ہیں، وہی گویا ان کی قبر ہے اور وہیں ان کو عذاب یا آرام ملتا ہے۔

تو قبر فقط اسی مخصوص قبر کا نام نہیں بلکہ عالمِ برزخ میں اس مقام کا نام بھی گویا قبر ہے جہاں مردے کو یا اس کے اجزاء منتشرہ، ماکولہ محترقہ میں سے کسی جزء کو عذاب ہو رہا ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ رقمطراز ہیں :-

وَمِمَّا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّعْلَمَ اَنَّ عَذَابَ الْقَبْرِ هُوَ عَذَابُ الْبَرْزَخِ فَكُلُّ مَنْ مَاتَ وَهُوَ مُسْتَحِقٌّ لِلْعَذَابِ نَالَهٗ نَصِيْبُهٗ مِنْهُ قُبِرَ اَوْ لَمْ يُقْبَرْ فَلَوْ اَكَلَتْهُ السِّبَاعُ اَوْ اُحْرِقَ حَتّٰى صَارَ رَمَادًا اَوْ نُسِفَ فِي الْهَوَاءِ اَوْ صُلِبَ اَوْ غَرِقَ فِي الْبَحْرِ وَصَلَ اِلٰى رُوْحِهٖ وَبَدَنِهٖ مِنَ الْعَذَابِ مَا يَصِلُ اِلَى الْقُبُوْرِ۔

(کتاب الروح ص ۷۱)

جاننا چاہیئے کہ عذابِ قبر عالمِ برزخ کا عذاب ہے۔ پس جو بھی مرا اور وہ عذاب کا مستحق ہے اسے عذاب ملے گا خواہ وہ قبر میں دفن ہو یا نہ ہو۔ اگر اسے درندوں نے کھا لیا یا جلا دیا گیا اور خاکستر بن گیا اور ہوا میں اڑ گیا یا سولی پر چڑھا دیا گیا یا سمندر میں غرق ہو گیا تو جو عذاب قبروں میں ہوتا وہ اس کے روح اور بدن یا اس کے ذرات کو ہوگا۔

قبر کا مجازی معنیٰ خلاصہ یہ کہ قبر تو حقیقۃً یہی ہے جس میں میت کو دفن کرتے ہیں۔ ہاں مجازی طور

پر اس برزخی مقام پر بھی قبر کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے، جہاں کہیں میت کے اجزاء ہوں۔ خواہ درندوں پرندوں کا پیٹ ہو۔ خواہ قعرِ دریا ہو۔ خواہ آگ اور ہوا ہو۔

ایک اہلِ علم کا "ارشاد"

بخلاف اس کے ایک اہلِ علم تحریر فرماتے ہیں:۔

"الغرض علمائے کرام نے قبر کے معنیٰ عالم برزخ کے کئے ہیں۔ یہی شرعی قبر ہے۔ یہی حدیثوں سے مراد ہے اور یہی حقیقی معنیٰ ہیں۔ یعنی حقیقتِ شرعیہ! اور گڑھا قبر کا حقیقی معنیٰ نہیں"۔ (ندائے حق ص ۴۷)

اس پر ہم سوائے اس کے اور کیا عرض کر سکتے ہیں ؎

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

حضرت! کبھی سیدھی اور سچی بات سن کر مان بھی لیا کیجئے۔ نہ تو علماء نے قبر کے معنیٰ عالمِ برزخ کے کئے ہیں۔ نہ عالم برزخ شرعی قبر ہے۔ نہ حدیثوں سے یہی مراد ہے اور نہ ہی قبر کے حقیقی معنیٰ عالم برزخ کے ہیں۔ شرعاً نہ لغتہً نہ علماً نہ عرفاً۔

آپ کے "ارشاد" کے سولہ آنے خلاف علماء لغات القرآن نے قبر کے معنیٰ مقر المیت کئے ہیں۔ اور یہی قبر شرعی قبر ہے، قرآن و حدیث میں بارہا اسی قبر کو قبر کہا گیا ہے۔ اور قبر کے حقیقی معنیٰ قبر ہی ہیں۔ ہاں آپ کی ایک بات سچی ضرور ہے "کہ گڑھا قبر کا حقیقی معنیٰ نہیں"، ہم بھی گڑھے کو قبر نہیں کہتے اور نہ ہی کسی صاحبِ عقل و خرد نے قبر کا معنیٰ گڑھا کیا ہے۔ قبر کے معنیٰ تو قبر ہیں، یعنی جہاں مردے کو دفن کیا جائے یعنی میت رکھنے کی جگہ۔ گڑھے کو قبر کون احمق کہتا ہے اور قبر کے معنیٰ گڑھا کون کرتا ہے گڑھا اور چیز ہے اور قبر اور چیز، قبر قبر ہے گڑھا گڑھا ہے! نہ ہر گڑھا قبر ہے اور نہ ہر قبر گڑھا! بعض قبریں آگ کا گڑھا ضرور ہیں، اور بعض قبریں تو روضۃ من ریاض الجنۃ ہیں۔

گڑھا کے لئے عربی زبان میں حفرۃ کا لفظ ہے۔ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:۔

اَلْحُفْرَۃُ وَالْحَفِیْرَۃُ گڑھا، قرآن میں ہے وکنتم علیٰ شفا حفرۃ من النار اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے اَلْمِحْفَارُ وَالْمِحْفَرُ وَالْمِحْفَرَۃُ بیلچہ وغیرہ جس سے گڑھا کھودا جاتا ہے [1]

باقی قبر کے معنیٰ بھی لغات القرآن کے امام سے سن لیجئے۔

---

[1] "مفردات القرآن"، امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ ص ۲۳۲ ۔ ح ۔ ف ۔ ر

القبر کے معنیٰ میت کو دفن کرنے کی جگہ کے ہیں اَقْبَرَہٗ کے معنیٰ کسی کو کے لئے قبر مہیا کرنے کے ہیں
تاکہ اسے دفن کیا جائے۔ قرآن میں ہے ثُمَّ اَمَاتَہٗ فَاَقْبَرَہٗ، پھر اس کو موت دی۔ پھر قبر میں دفن کرایا۔[1]
اب ذرا منجد عربی کی مشہور لغات دیکھ لیجئے۔
اَلْقَبْرُ آدمی کے دفن کا مقام، جمع قبور۔ اَقْبَرَہٗ کسی کے دفن کرنے کو قبر بنانا، اَقْبَرَ الْقَوْمَ
قوم کو مقتول کے دفن کی اجازت دینا۔[2]

لغات القرآن کے امام (امام راغبؒ) یا صاحب منجد نے قبر کے معنیٰ میں کہیں گڑھا کا لفظ
نہیں لکھا۔ قبر کے معنیٰ اگر گڑھا تو کوئی جاہل ہی کرے گا، گڑھا تو ہیں حفرہ کے معنیٰ، قبر کے معنیٰ تو ہیں،
میت کو دفن کرنے کی جگہ، آدمی کے دفن کا مقام، مقر المیت باقی رہا یہ فرمان کہ "یہی حدیثوں سے مراد
ہے اور یہی حقیقی معنیٰ ہیں، یعنی حقیقت شرعیہ" (ندائے حق" ص ۴۸)
سو عرض یہ ہے کہ حقیقت شرعیہ میں قرآن کریم کا بھی کوئی حصہ ہے یا نہیں، اگر ہے تو پھر غور
سے سن لیجئے۔

قرآن میں ایک جگہ قبر کا لفظ آیا ہے قبرہٖ (پارہ ۱۰۔ رکوع ۱۷)
چار مقامات پر اَلْقُبُوْرِ ہے (پارہ ۱۷، ع ۸، پارہ ۲۲ ع ۱۵، پارہ ۲۸ ع ۸، پارہ ۳۰ ع ۲۵)
ایک مقام پر اَلْقُبُوْرُ ہے (پارہ ۳۰۔ ع ۷)
ایک مقام پر اَقْبَرَہٗ ہے (پارہ ۳۰۔ ع ۵)
ایک مقام پر المقابر ہے (پارہ ۳۰۔ ع ۲۷)
ان آٹھ مقامات میں سے کسی مقام پر بھی قبر کے معنیٰ نہ گڑھا ہیں اور نہ ہی عالم برزخ۔ بلکہ
آٹھوں مقامات پر قبر ہی مراد ہے۔

باقی رہی حدیث تو دفتر احادیث پر تو صاحب "ندائے حق" کی نگاہ ہوگی۔ جو ماشاء اللہ شیخ الحدیث
بھی ہیں ہم ایسے طالب علموں کی نگاہ میں جب حدیث پاک میں بھی قبر کا ذکر آیا ہے۔ یہی محسوس قبر ہے۔

عذاب روح کو ہوتا ہے یا جسم کو یا دونوں کو؟

عذاب روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے

بعض مبتدع فرقوں کا زعم ہے کہ عذاب قبر صرف

[1] "مفردات القرآن" امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ ص ۲۳۷ باب القاف ق۔ ب۔ ر [2] المنجد عربی اردو ص ۹۵۷

روح کو ہوتا ہے اور بعض کا وہم ہے کہ صرف بدن کو۔ لیکن اہلِ سنت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ قبر کا عذاب یا آرام روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔

۱ ۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (متوفی ۷۲۸ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

بَلِ الْعَذَابُ وَالنَّعِیْمُ عَلَی النَّفْسِ وَالْبَدَنِ جَمِیْعًا بِاتِّفَاقِ اَھْلِ السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ [1]

عذاب اور راحت و آلام روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے، اس پر تمام اہلِ سنت والجماعت کا اتفاق ہے۔

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

وَالسُّؤَالُ لِلْبَدَنِ بِلَا رُوْحٍ قَوْلُ طَائِفَۃٍ مِنَ النَّاسِ وَاَنْکَرَہُ الْجُمْھُوْرُ وَقَابَلَھُمْ اٰخَرُوْنَ فَقَالُوْا السُّؤَالُ لِلرُّوْحِ بِلَا بَدَنٍ ۔۔۔ وَکِلَاھُمَا غَلَطٌ وَالْاَحَادِیْثُ الصَّحِیْحَۃُ تَرُدُّہٗ وَلَوْ کَانَ ذَالِکَ عَلَی الرُّوْحِ فَقَطْ لَمْ یَکُنْ لِلْقَبْرِ بِالرُّوْحِ اخْتِصَاصٌ [2]

لوگوں کی ایک جماعت کا قول ہے کہ سوال روح کے بغیر صرف بدن سے ہوتا ہے جمہور اس کے منکر ہیں ان کے مقابلہ میں دوسرے لوگوں نے کہا کہ سوال صرف روح سے ہوتا ہے بدن کے بغیر، ۔۔۔۔ یہ دونوں قول غلط ہیں۔ صحیح احادیث ان کو رد کرتی ہیں اگر سوال صرف روح سے ہوتا تو قبر کو تو روح کے ساتھ کوئی اختصاص نہ تھا۔

یعنی اگر صرف روح کو عذاب ہوتا تو قبر کو روح کے ساتھ کیا اختصاص تھا کہ روح کے عذاب کو عذابِ قبر سے تعبیر کیا جاتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ احادیثِ صحیحہ کے مطابق سوال اور پھر عذاب جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے

۲ ۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) رقم فرماتے ہیں۔

اِنَّ مَذْھَبَ سَلَفِ الْاُمَّۃِ وَاَئِمَّتِنَا اَنَّ الْمَیِّتَ اِذَا مَاتَ یَکُوْنُ فِیْ نَعِیْمٍ اَوْ عَذَابٍ وَاِنَّ ذٰلِکَ یَحْصُلُ لِرُوْحِہٖ وَبَدَنِہٖ [3]

بلا شبہ اسلافِ امت اور ہمارے ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ میت راحت اور عذاب میں ہوتی ہے اور بیشک یہ راحت یا دکھ روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے۔

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔

وَھٰذَا الْحَدِیْثُ یُبَیِّنُ اَنَّ الْعَذَابَ عَلَی الرُّوْحِ وَالْبَدَنِ مُجْتَمِعَیْنِ [4]

اور یہ حدیث اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ عذاب (قبر) روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے۔

---

[1] کتاب الروح، ص ۶۲ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۶۳ [4] ایضاً ص ۶۶

٣۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ٩١١ھ) رقمطراز ہیں:۔

قال العلماء عذاب القبر..... محلہ الروح والبدن جمیعاً باتفاق اھل السنۃ کذا القول فی النعیم [۱]	علماء کا قول ہے کہ عذابِ قبر کا محل روح اور بدن دونوں ہیں۔ اسی طرح آرام بھی دونوں کو ملتا ہے۔ اس پر اہلِ سنت کا اتفاق ہے۔

٤۔ امام العصر محدث وفقیہ اعظم حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ (متوفی ١٠١٤ھ) رقم فرماتے ہیں۔

واختلف فی انہ بالروح او بالبدن او بھما وھو الاصح منھما [۲]	اس میں اختلاف ہے کہ (عذاب قبر) صرف روح کو ہوتا ہے یا بدن کو یا دونوں کو، اور صحیح یہی ہے۔

٥۔ عمدۃ المحققین، سید العلماء، امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ (متوفی ١٣٥٢ھ) بھی فرماتے ہیں:۔

١۔ ثم السؤال عندی یکون بالجسد مع الروح کما اشار الیہ صاحب الھدایۃ [۳]	(قبر میں فرشتوں کا) سوال میرے نزدیک جسد مع روح سے ہوگا، جیسا کہ صاحب ہدایہ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

٢۔ باب ما جاء فی عذاب القبر کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

وھو ثابت عند اھل السنۃ والجماعۃ کافۃ بالتواتر..... فلھم فیہ قولان قیل العذاب علی الروح فقط وقیل علی الروح والجسد معًا.... والاقرب عندی ھو الثانی [۴]	عذابِ قبر تمام اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک تواتر سے ثابت ہے..... علماء اہل سنت کے اس بارے میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ عذابِ قبر صرف روح پر ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ روح اور جسم دونوں پر ساتھ ساتھ ہے..... اور میرے نزدیک زیادہ صحیح یہی دوسرا قول ہے۔

٣۔ ثم لاھل السنۃ قولان قیل ان العذاب للروح فقط وقیل للروح والجسد والمشھور الثانی اختارہ اکثر شارحی الھدایۃ وھو المختار [۵]	یہ قول کہ عذابِ قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے، مشہور قول یہی ہے۔ اور اکثر شارحین ہدایہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور (میرے نزدیک بھی) یہی مختار ہے۔

---

[۱] "شرح الصدور" ص ٤٦ مطبوعہ مصر۔ [۲] "شرح فقہ اکبر" مطبوعہ مصر ص ٩١۔ [۳] "فیض الباری" شرح بخاری جلد اول ص ١٩٦ کتاب العلم۔
[۴] ایضاً جزء ثانی ص ٩٢ کتاب الجنائز۔ [۵] "العرف الشذی" ص ٣٥٥۔ "تسکین الصدور" ص ٩٠۔

بہرحال علماء اعلام وائمہ دین کے نزدیک عذاب روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے مگر منکرین عذابِ قبر کا سوال یہ ہے کہ بوسیدہ ہڈیوں میں زندگی کہاں سے جو انہیں عذاب ہو۔؟

حیات اور عذاب کے لئے ڈھانچہ شرط نہیں!

حیات فی القبر کے انکار کی بنیاد اس زعم وتصور پر ہے کہ جب ڈھانچہ ہی باقی نہیں رہا، گوشت پوست گل سڑ گیا۔ ہڈیاں چورہ چورہ ہوگئیں، وجود کی شکل وصورت اور نام ونشان تک باقی نہیں رہا تو حیات کہاں ہوگی؟ اور عذاب کیسے ہوگا؟ اس کا جواب اکابر امت، اجلّہ علماء اہلِ سنت محققین فقہا و محدثین ومتکلمین نے یہ دیا ہے کہ حیات یا عذاب کے لئے ڈھانچہ شرط ہی نہیں، اجزاء متفرقہ میں بھی قدرت باری تعالےٰ سے حیات وعذاب کا اعادہ وتحقق ممکن ہے، یہ ناممکن اور ممتنع نہیں۔

۱:۔ امام الفقہا امام ابن الہمام (متوفی ۸۶۱ھ) رقم فرماتے ہیں۔ا

کان الحق ان المیّت المعذب فی قبرہٖ توضع فیہ الحیٰوۃ بقدر ما یحسّ بالالم والبنیۃ لیست بشرطٍ عند اھل السنۃ حتّٰی لو کان متفرق الاجزاء بحیث لا یتمیّز الاجزاء بل ھی مختلطۃ بالتراب فعُذّب جُعلت الحیٰوۃ فی تلک الاجزاء التی لا یأخذھا البصر وان اللہ تعالےٰ علی ذالک لقدیر۔لہ

حق یہی ہے کہ جس میت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے اس میں اس قدر حیات رکھی جاتی ہے جس سے وہ دکھ کا احساس کر سکے۔ اور ڈھانچے کا محفوظ رہنا اہل سنت کے نزدیک کوئی شرط نہیں یہاں تک کہ اگر میّت کے اجزاء بکھر جائیں اور مٹی میں رل مل جائیں اور اسے عذاب دیا جائے تو ان اجزاء میں جنہیں نگاہ نہیں دیکھ سکتی حیات رکھی جاتی ہے۔ اور بیشک اللہ تعالےٰ اس پر قادر ہے۔

۲:۔ عقائد کے مسلّم امام، امام ابن الہمام (متوفی ۸۶۱ھ) اور آپ کے شہرہ آفاق تلمیذ رشید علامہ کمال الدین محمد بن محمد المقدسی (متوفی ۹۰۵ھ) علم کلام کی مایۂ ناز کتاب المسامرہ میں لکھتے ہیں۔

سوال الملکین وعذاب القبر ونعیمہ ممکن اِذ لا یشترط فی الحیٰوۃ البنیۃ......

فرشتوں کا سوال اور قبر کا عذاب اور لذت و راحت بالکل ممکن ہے کیونکہ حیات کیلئے ڈھانچہ شرط نہیں...

لہ "فتح القدیر" جلد ۴ ص ۹۹ مطبوعہ ("تسکین الصدور" ص ۷۳)

وَإِنْ كَانَ الْمَيِّتُ فِي بُطُونِ السِّبَاعِ وَقُعُورِ الْبِحَارِ وَغَايَةُ مَا فِي الْبَابِ أَنْ يَكُونَ بَطْنُ السَّبُعِ وَنَحْوُهُ قَبْرًا لَهُ ۱؎

اگرچہ میت درندوں کے پیٹ اور سمندروں کی گہرائیوں میں ہو، زیادہ سے زیادہ درندے کا پیٹ وغیرہ اس کے لئے قبر ہوگا۔

۳:- علامہ شمس الدین احمد بن موسیٰ المشہور بہ الخیالی (متوفی سنہ ۸۷۰ھ) لکھتے ہیں:-

وَأَمَّا تَعْذِيبُ الْمَأْكُولِ بِخَلْقِ نَوْعٍ مِنَ الْحَيٰوةِ فِي بَطْنِ الْآكِلِ فَوَاضِحُ الْإِمْكَانِ كَالدُّودَةِ فِي الْجَوْفِ فَإِنَّهَا تَتَأَلَّمُ وَتَتَلَذَّذُ بِلَا شُعُورٍ مِنَّا ۲؎

جس میت کو کوئی جانور کھا گیا ہو اس کو کھانے والے جانور کے پیٹ میں میت کے اندر ایک گونہ حیات پیدا کرکے عذاب دینا، اس کا واضح امکان ہے جیسے پیٹ کے اندر کیڑا ہوتا ہے، اسے تکلیف بھی ہوتی ہے اور لذت بھی، مگر ہمیں خبر نہیں ہوتی۔

۴:- علامہ قرطبی (متوفی سنہ ۶۷۱ھ) تحریر فرماتے ہیں:-

وَقَدْ أَجْمَعَ أَهْلُ الْكَشْفِ عَلَى أَنَّ الْمَيِّتَ يَحِسُّ بِضَغْطَةِ الْقَبْرِ وَيَحِسُّ بِاخْتِلَافِ أَضْلَاعِهِ وَلَوْ كَانَ فِي بُطُونِ السِّبَاعِ وَالطُّيُورِ أَوْ كَانَ قَدْ حُرِقَ وَذُرِيَ فِي الرِّيْحِ فَتَحِسُّ كُلُّ ذَرَّةٍ بِالْأَلَمِ وَلَوْ كَانَتْ مُتَفَرِّقَةً ۳؎

اہلِ کشف کا اس پر اجماع ہے کہ میت قبر کی تنگی اور پسلیوں کے باہم گڈمڈ ہونے کو محسوس کرتی ہے اگرچہ وہ درندوں اور پرندوں کے پیٹ میں ہو یا اسے جلا کر ہوا میں اڑا دیا گیا ہو میت کا ہر ذرہ دکھ درد محسوس کرتا ہے خواہ اس کے ذرات متفرق ہو چکے ہوں،

۵:- علم کلام کے مشہور محقق علامہ ابو شکور السالمیؒ (متوفی سنہ ھ) فرماتے ہیں:-

فَإِذَا كَانَ الرُّوحُ مُتَّصِلًا بِالشَّخْصِ سَوَاءٌ كَانَ عَظْمًا أَوْ لَحْمًا أَوْ تُرَابًا فَإِنَّهُ يَتَأَلَّمُ ۴؎

جب روح کا بدن سے اتصال ہوگا تو بدن کو ضرور الم ہوگا، خواہ ہڈی ہو، خواہ گوشت ہو اور خواہ مٹی ہو جائے۔

۶:- خاتم المفسرین علامہ سید محمود آلوسیؒ (متوفی سنہ ۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:-

ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ اتِّصَالَ الرُّوحِ بِالْبَدَنِ

پھر تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ روح کا بدن کے ساتھ

۱؎ "المسامرۃ" مع "المسایرۃ" جلد ۲ ص ۹۸، مطبوعہ مصر، "تسکین الصدور" ص ۲۴۴ ۲؎ "الخیالی" ص ۱۱۸، "تسکین الصدور" ص ۸۰
۳؎ مختصر تذکرہ قرطبی، مطبوعہ مصر ص ۳۴، "تسکین الصدور" ص ۲۷ ۴؎ "تمہید" مطبوعہ لاہور ص ۱۲۵، "تسکین الصدور" ص ۸۲

لَا یَخْتَصُّ بِجُزْءٍ دُوْنَ جُزْءٍ بَلْ هِیَ مُتَّصِلَةٌ مُشْرِقَةٌ عَلٰی سَائِرِ اَجْزَائِهٖ وَاِنْ تَفَرَّقَتْ وَکَانَ جُزْءٌ بِالْمَشْرِقِ وَجُزْءٌ بِالْمَغْرِبِ ؎

اتصال کسی ایک جز کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ یہ روح متصل ہے روشنی ڈالنے والی ہے بدن کے تمام اجزاء پر، اگرچہ وہ جدا جدا ہو چکے ہوں اور ایک جز مشرق میں ہو اور دوسرا جز مغرب میں۔

۴۷ ـ العلامۃ الامام الحافظ الشیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ)

قال العلماء عذاب القبر هو عذاب البرزخ اُضِيفَ اِلَى الْقَبْرِ لِاَنَّهُ الْغَالِبُ وَاِلَّا فَكُلُّ مَيِّتٍ اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ تَعَالٰی تَعْذِيْبَهٗ نَالَهٗ مَا اَرَادَ بِهٖ قُبِرَ اَوْ لَمْ يُقْبَرْ وَلَوْ صُلِبَ اَوْ غَرِقَ فِي الْبَحْرِ اَوْ اَكَلَتْهُ الدَّوَابُّ اَوْ حُرِقَ حَتّٰی صَارَ رَمَادًا اَوْ ذُرِيَ فِي الرِّيْحِ ؎

علماء نے کہا کہ عذاب قبر، عذاب برزخ ہے۔ مگر اسے عذاب قبر جو کہا جاتا ہے تو اکثر ہونے کی بناء پر، ورنہ ہر میت کو جسے عذاب دینے کا اللہ تعالیٰ ارادہ کرلیں عذاب ہوتا ہے خواہ وہ قبر میں دفن ہو یا نہ ہو، اگر سولی دیا جائے یا سمندر میں غرق ہو جائے، یا اسے جانور کھا جائیں یا جلا دیا جائے حتیٰ کہ خاکستر ہو جائے یا ہوا میں اڑا دیا جائے۔

۴۸ ـ خاتم الفقہا علامہ محمد بن عابدین شامی (متوفی ۱۲۵۲ھ) رقمطراز ہیں:- قبر میں میت پر عذاب کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

لِاَنَّهٗ تُوْضَعُ فِيْهِ الْحَيٰوةُ عِنْدَ الْعَامَّةِ بِقَدْرِ مَا يُحِسُّ بِالْاَلَمِ وَالْبِنْيَةُ لَيْسَتْ بِشَرْطٍ عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ بَلْ تُجْعَلُ الْحَيٰوةُ فِيْ تِلْكَ الْاَجْزَاءِ الْمُتَفَرِّقَةِ لَا يُدْرِكُهَا الْبَصَرُ ؎

کیونکہ میت میں اکثر علماء کے نزدیک اس قدر حیات ڈالی جاتی ہے جس سے وہ الم کا احساس کر سکے، (باقی) ڈھانچے کا باقی اور سلامت رہنا اہلسنت کے نزدیک شرط نہیں بلکہ یہ حیات ایسے اجزاء بدن میں بھی پیدا کی جاتی ہے جن کو نگاہ محسوس نہیں کر سکتی۔

۴۹ ـ امام العصر شیخ الاسلام حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۵۲ھ) فرماتے ہیں:-

مشہور قول یہی ہے کہ عذاب (قبر) روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے، ہدایہ کے اکثر شارحین نے اسی کو اختیار کیا ہے اور میرے نزدیک بھی مختار یہی ہے۔

؎ "روح المعانی" جلد ۱۵ ص ۱۶۳ ؎ "شرح الصدور" ص ۷۵ ؎ شامی جلد ۳ ص ۲۰۱ مطبوعہ مصر۔

("تسکین الصدور" ص ۸۶)

[illegible] ۔۔۔ له

اگرچہ بدن ذرہ ذرہ کیوں نہ ہو جائے جیو[illegible] کے نزدیک بے شک شعور ہر چیز کو ہے۔

عذاب اسی جسدِ عنصری کو ہوتا ہے یا۔۔۔۔

حضرات فقہاء و متکلمین اسلام کی یہ ساری بحث اسی بنا پر ہے کہ خواہ جسم باقی ہو یا نہ ہو اور قبر میں ہو یا نہ ہو۔ اجزاء منتشرہ و متفرقہ جہاں کہیں بھی ہوں۔ خواہ غبار بن کر ہوا میں کیوں نہ اڑا دئیے گئے ہوں۔ خواہ کسی درندے، پرندے یا کسی آبی جانور کا لقمہ بن کر اس کا جزو بدن کیوں نہ بن گئے ہوں اللہ تعالٰی ہر جگہ ہر حالت میں ان کے اندر اس درجہ زندگی ضرور پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ دکھ سکھ، آرام و آلام اور عذاب و راحت کا احساس و ادراک کر سکیں۔ اب اگر عذاب اس بدنِ عنصری کو نہیں ہوتا بلکہ کسی اور جسم کو ہوتا ہے۔ تو ائمہ دین، علماء کلام و فقہاء عظام کو اس ساری بحث کی کیا ضرورت تھی؟ اور اس کا کیا فائدہ؟ یہ اجزاء منتشرہ، متفرقہ، ماکولہ یا محرقہ وغیرہ جن میں ادراک و احساس عذاب و تنعیم کے لئے نوعِ حیات ثابت کی جا رہی ہے ظاہر ہے کہ یہ اجزاء تو مادی جسم اور عنصری بدن کے ہیں نہ کہ کسی اور بدن کے۔ بایں ہمہ ملحدین و منکرین کا نہیں۔ بلکہ بعض اہلِ علم کا یہ زعم باطل ہے کہ قبر میں عذاب اس مادی و عنصری جسم کو نہیں ہوتا۔

عذاب جسم کے اجزاء اصلیہ کو ہوتا ہے جو بصورت ذرات پشت آدم سے نکلے تھے

ایک اہلِ علم بزرگ لکھتے ہیں:۔

روح کے ساتھ جسم کو بھی عذاب ہوتا ہے۔ مگر جسم سے جسدِ عنصری و مادی نہیں، بلکہ انسان بدن سے مغائر ہے۔۔۔ لیکن انسان فقط روح کا نام بھی نہیں ہے۔ روح اور جسم کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ اور جسم میں دو قسم کے اجزاء ہیں۔ ایک اجزاء اصلیہ۔۔۔ وہی ذرات ہیں جو حضرت آدم کی پشت سے ذرات کی شکل میں عہد لینے کے لئے نکالے گئے تھے۔۔۔ پس روح کا اصل تعلق انہیں اجزائے اصلیہ اور ذرات کے ساتھ ہے۔ اور قبر (برزخ) میں سوال انہیں ذرات سے ہوگا۔ اور انہیں میں روح اور حیات واپس کر دی جائے گی اور وہی سوال کا جواب دیں گے ("ندائے حق" ص ۴۲)

جہاں عذاب و تنعیم کے اخبار و آثار و روایات و عبارات میں بدن یا جسد یا جسم موتی یا بعض [illegible]

له "العرف الشذی" ص ۵۰۵، ۳۰۵ "تسکین الصدور" ص ۹۱

کا لفظ آجائے۔ تو مراد وہ انسان حقیقی ہے۔ جو اجزاء اصلیہ کا نام ہے (ص ۴۲)

روح کا مقر علیین یا سجین ہے، تو روح کی قبر علیین ہوئی یا سجین، اور چونکہ دراصل انسان روح مع النسمہ کا نام ہے تو انسان کی قبر علیین ہوئی یا سجین (ص ۴۴)

پھر علیین یا سجین میں صرف مجرد ارواح کا مسکن نہیں، بلکہ مہتم انسان جسد مع الروح کا مقام ہے اور وہ جسد وہی ہے جو یوم میثاق الست بربکم کے وقت انسان کو عطا ہوا تھا۔ جس کو نفس، نفس ناطقہ نسمہ سے تعبیر کرتے ہیں اور چونکہ ان میں جزوِ اعظم مدرک حساس روح ہے۔ اس لئے اسے روح سے بھی تعبیر کر لیتے ہیں۔ (ص ۲۱۹)

بالفاظ فاضل مصنف خلاصہ ملاحظہ ہو:۔

[انسان فقط روح کا نام نہیں، روح اور جسم کے مجموعہ کو کہتے ہیں مہتم انسان، جسد مع الروح ہے اور جسد وہی ہے، جو یوم میثاق الست بربکم کے وقت انسان کو عطا ہوا تھا۔ جس کو نفس نفس ناطقہ نسمہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

اور چونکہ ان میں جزوِ اعظم روح ہے، اس لئے اسے روح سے بھی تعبیر کر لیتے ہیں]

گویا انسان فقط روح کا نام نہیں۔ روح اور جسد کا نام ہے۔ جسے نفس بھی کہتے ہیں نفس ناطقہ بھی اور نسمہ بھی، اور اسے روح سے بھی تعبیر کر لیتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ انسان فقط روح کا نام نہیں۔ بلکہ روح اور ... کا نام ہے۔

ع خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے؟

پھر دفن تو کیا گیا جسدِ عنصری کو، اجزاء منتشرہ، متفرقہ وغیرہ ہوئے اسی ما کولہ بعلاوہ، محترقہ جسدِ عنصری کے، مگر عذاب ہوتا ہے اجزاء اصلیہ کو جو یوم میثاق، پشت آدم سے نکلے تھے، جو نہ اس دنیائے آب و گل میں کبھی آئے۔ نہ انہیں دنیا میں کسی نے دیکھا۔ کرے مونچھوں والا پکڑا جائے داڑھی والا، جرم و گناہ جسدِ عنصری کا اور سزا بھگتیں، ذراتِ ازلی!

اب اس گورکھ دھندے کو کوئی کیا سمجھے،

"کمالِ فن" کا دوسرا "شاہکار" ملاحظہ ہو:۔

ابھی تو فرمایا تھا قبر میں سوال ذرات (یوم میثاق) سے ہوگا۔ اب فرماتے ہیں:۔

عذاب جسم مثالی کو ہوتا ہے!

مرنے کے بعد ارواح کی تعذیب و تنعیم کے لئے ان کو مثالی جسم، مثالی زمین جنت میں، مثالی آسمان جنت میں عطا

فرماتے ہیں (ص ۱۶۰) عالمِ برزخ میں اللہ تعالیٰ انسان کو برزخی جسم عطا فرماتے ہیں۔ وہاں برزخی دکھ سکھ کا احساس روحِ انسانی کو ہوتا ہے۔ بواسطہ جسدِ برزخی مثالی کے! (ص ۲۱۹)

مثالی جسم مثالی جسد مثالی جنت مثالی زمین مثالی آسمان برزخی جسم برزخی جسد جسد برزخی مثالی

پھر کبھی عذاب اجزاء اصلیہ کو ہوتا ہے کبھی جسد مثالی کو!

یہ ساری "فنکاری" جانتے ہو کیوں ہو رہی ہے، محض قبر اور جسدِ عنصری کے انکار کے لئے! یہ حضرت عذاب کے لئے کئی قسم کے اجساد تو بے تکلف بناتے چلے جاتے ہیں، مگر جسدِ عنصری کے لئے عذاب تسلیم نہیں فرماتے۔ مثل مشہور ہے کہ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لئے آدمی کو سو جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ ہمارے حضرت کو ایک جسدِ عنصری کا انکار کرنے کے لئے حقیقی انسان، جسمِ انسانی، نفس، نفس ناطقہ، نسمہ، جسدِ یوم میثاق، اجزاء اصلیہ، ذراتِ پشتِ آدمؑ، برزخی جسد، مثالی جسم اور مثالی جسد کئی جسم و جسد ہی نہیں بنانے پڑے بلکہ مثالی جنت اور مثالی جنت کی مثالی زمین اور مثالی آسمان بھی ایجاد کرنے پڑے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مثالی جنت مثالی زمین اور مثالی آسمان تو بجائے خود! مثالی جسم کی بھی کوئی شرعی حقیقت نہیں ہے۔ قرآن و حدیث کے ساتھ کلام و عقائد کی ضخیم مصنفات میں کہیں بھی مثالی جسم کا نام و نشان نہیں ملے گا۔

کتاب و سنت میں جسم، جسد اور بدن سے ہر جگہ مراد یہی جسدِ عنصری ہے، قرآن و حدیث میں اور ائمہ دین، فقہاء و متکلمین کے ہاں جسدِ مثالی کا سراغ بھی نہیں ملتا۔ البتہ حضرات صوفیہ کے ہاں اس کا ذکر ملتا ہے عذابِ قبر کے سلسلہ میں بھی حضرات صوفیہ نے کہا ہے کہ عذاب بدنِ مثالی کو ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام العصر شیخ الاسلام علامہ انور شاہ صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

وقال الصوفیۃ العذاب للبدن المثالی لہ	اور صوفیاء اس کے قائل ہیں کہ عذاب (قبر) بدن مثالی کو ہوتا ہے۔

اور یہ عجیب نکتہ ملاحظہ ہو کہ حضرت العلامؒ اہل سنت کے اقوال میں حضرات صوفیاء کے قول کو شامل نہیں فرماتے۔ بلکہ اسے اہل سنت کے علاوہ شمار فرماتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

ثم لاھل السنۃ قولان قیل ان العذاب للروح فقط وقیل للروح والجسد والمشہور

لہ "العرف الشذی" ص ۲۵۵ "تسکین الصدور" ص ۹۱

الثانی ..... وھو المختار ...... وقال الصوفیۃ العذاب للبدن المثالی[1]

کس قدر صراحت سے ارشاد فرمایا کہ اہل سنت کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں پھر وہ دونوں قول نقل فرما کر دوسرے قول کو مشہور و مختار فرماتے ہیں پھر تین سطروں کے بعد جا کر فرماتے ہیں کہ :۔

وقال الصوفیہ اس طرح حضرت شیخ الاسلام نے گویا لطیف انداز میں بلیغ اشارہ کر دیا ہے کہ شریعت میں فرمان حضرات صوفیاء کا کوئی بنیادی مقام نہیں، اسی حقیقت کو خود حضرات صوفیہ کے رئیس و امام حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ (متوفی ۱۰۳۴ھ) نے واضح الفاظ میں یوں بیان فرمایا :۔

عملِ صوفیہ در حل و حرمت سند نیست ہمیں بس نیست کہ ما ایشاں را معذور داریم و ملامت نکنیم، اینجا قول امام ابی حنیفہ و امام ابی یوسف و قول امام محمد معتبر است نہ عمل ابوبکر شبلی و ابی حسن نوری (مکتوبات امام ربانی)

بہر حال شریعت، کتاب و سنت کے بعد تعاملِ صحابہ و سلف صالحین و تعلیمات ائمہ مجتہدین، حضرات فقہاء و محدثین کا نام ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین،

حضرات صوفیاء کرام کا قول و عمل شریعت میں حجت نہیں، ہاں شریعت کے مطابق ہو تو بسر و چشم، و الا فلا۔ حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے فیض الباری شرح بخاری میں بھی یہی فرمایا ہے کہ عذابِ قبر کے بارے میں یہ قول صوفیہ کا ہے کہ عذاب بدن مثالی کو ہوتا ہے۔

پھر یہ قول جو بعض حضرات صوفیاء کرام رحمہم اللہ نے کہا ہے تو اس حکمت و مصلحت کے پیش نظر کہ لوگ کہتے ہیں کہ بدن تو ریزہ ریزہ ہو چکا ہے۔ ہمیں قبر میں نظر نہیں آتا۔ پھر عذاب کسے ہوتا ہے؟ اس بحث میں صوفیاء کرام یہ کہتے ہیں کہ اگر نظر نہیں آتا یا ریزہ ریزہ ہو گیا ہے تو وجود مادی اور جسد عنصری، تو کیا ہوا۔ عذاب ہوتا ہے اور بدن مثالی کو ہوتا ہے جو نظر نہیں آتا۔

مگر شیخ الاسلام امام العصر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس حکمت و مصلحت کو بھی کوئی وقعت نہیں دی۔ البتہ اس کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا :۔

ثُمَّ لَا حَاجَةَ فِي اِثْبَاتِ عَذَابِ الْقَبْرِ اِلٰى مَا قَالَهُ الصُّوْفِيَّةُ اِنَّ العذابَ عَلَى الْمَبْدَنِ الْمِثَالِي دُوْنَ الْمَادِّى وَحِيْنَئِذٍ لَا بُعْدَ اِنْ لَمْ نُشَاهِدْ	پھر اثباتِ عذاب قبر کے لئے اس بات کی کوئی ضرورت نہیں جو صوفیاء کرام بیان کرتے ہیں کہ عذاب بدن مثالی کو ہوتا ہے نہ کہ بدن مادی کو لہٰذا اگر ہم

[1] العرف الشذی ص ۳۵۵ [2] تسکین الصدور ص ۱۹)

أَحَدٌ يُعَذَّبُ فِي قَبْرِهِ؟ فَإِنَّ الْأَحْمَلَ أَنْ يُقَالَ أَنَّهُ مِنْ عَالَمِ الْغَيْبِ وَإِقَامَةُ الدَّلَائِلِ الْعَقْلِيَّةِ عَلَيْهِ جَهْلٌ وَمَنْ يُطِيقُ ذَلِكَ؟ ؎

قبر میں کسی کے عذاب کا مشاہدہ نہیں کر سکتے تو کیا توجیہ ہے؟ اس بارے میں آسان بات یہ ہے کہ عذاب قبر عالم غیب کی چیز ہے اور اس پر دلائل عقلیہ کا قائم کرنا، جہالت ہے اور پھر کون ہے جس کے بس کی یہ بات ہے؟

بہرحال صحیح احادیث، شراحِ حدیث، فقہاءِ عظام اور علماءِ عقائد و کلام سے غیر مبہم الفاظ میں ثابت ہے کہ عذابِ قبر اسی بدن مع الروح سے متعلق ہے، عقائد و کلام کی کسی کتاب میں ایک جگہ بھی یہ مذکور و مسطور نہیں کہ عذابِ قبر صرف بدنِ مثالی کو ہوتا ہے اور بدنِ عنصری کو نہیں ہوتا۔

بخلاف اس کے تمام علماءِ دین وائمۂ اہلِ سنّت باصرار و تکرار بدلائل و شواہد بیان کر رہے ہیں کہ خواہ بدن کسی درندے وغیرہ کے پیٹ میں ہو، آگ میں جل جائے یا پانی میں غرق ہو بہرحال جہاں بھی اس کا کوئی خفیف سے خفیف جزء ہو اسے عذاب ہوتا ہے ——— اور ظاہر ہے کہ ماکول و غریق وغیرہ جسدِ عنصری ہے نہ کہ بدنِ مثالی!

<u>لمحہ فکریہ</u>:۔ سوچنے کی بات ہے اگر بدنِ مثالی والی بات میں عند الشرع کوئی وزن ہوتا تو یہ حضرات بھی صرف بدنِ مثالی کا ذکر کر کے کیوں نہ جان چھڑا لیتے۔

جسدِ عنصری کو عذاب و ثواب اسی قبرِ محسوس میں ہوتا ہے یا کسی اور "مثالی" مقام پر؟

یہ بات تو صاف ہو گئی کہ عذاب و تنعیم، دُکھ اور سُکھ اسی مادی بدن، جسدِ عنصری کو ہوتا ہے نہ کہ "مثالی" بدن کو، اب سوال یہ ہے کہ جسدِ عنصری کو عذاب و ثواب اسی قبرِ محسوس میں ہوتا ہے یا کسی "مثالی" مقام پر ہوتا ہے؟

اس سلسلہ میں حضرت "شیخ الحدیث" بالکل عامیانہ بلکہ استہزائیہ انداز میں لکھتے ہیں:۔

؎ "فیض الباری" جلد ۲ ص ۴۶۷ ("تسکین الصدور" ص ۹۳)

"ظاہر بین علماء و عوام کا خیال ہے کہ دفن کے بعد پھر سے اس گڑھے میں روح واپس اسی جسدِ عنصری دھڑ میں ڈالی جاتی ہے۔ یہی گڑھا اس کے لئے عالمِ برزخ ہے۔ اسی گڑھے کو خدا تنگ یا وسیع کرتا ہے، اسی گڑھے میں فرشتے سوال و جواب کے لئے، سزا و ثواب کے لئے آتے ہیں۔ اسی گڑھے میں اس دھڑ کو اٹھاتے بٹھاتے ہیں، اسی کو سلاتے ہیں۔ یہی دھڑ اٹھتا بیٹھتا کھاتا پیتا نماز پڑھتا ہے۔"[1]

یہی گڑھا اور یہی دھڑ کی گردان | ان حضرت کو اپنے جسم سے اتنی نفرت ہے۔ کہ اسے جسم یا بدن کہنا تک بھی گوارا نہیں کرتے، دھڑ دھڑ کی رٹ لگا رکھی ہے۔ اسی طرح قبر سے اتنا شدید بغض ہے کہ قبر کو قبر کہنا تک روا نہیں رکھتے۔ گڑھا کہتے ہیں کہتے کیا ہیں؟ گڑھے گڑھے کی ایک گردان ہے جو جاری ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی:۔ ہمارے حقیقت بین و حقیقت رس صاحب "نداءِ حق" کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حکیم الامت، مجدد الملت، امام العصر، شیخ الشائخ شیخ الشائخ، مرشد و مخدوم العلماء، رأس الاتقیاء، محی السنۃ حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ بھی انہیں "ظاہر بین علماء" میں شامل ہیں۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں:۔

جب مردہ کو لحد میں رکھا جاتا ہے اور اس کی قبر پر مٹی ڈالی جاتی ہے تو مٹی فرشتوں کو مردہ کے پاس جانے سے روک نہیں سکتی ہے۔۔۔ اس تودۂ خاک سے ارواح کا ایک تعلق ہوتا ہے[2]

امام ابن قیم رحمہ اللہ:۔ امام ابنِ قیم رحمہ اللہ بھی اسی قبر میں فرشتوں کے مُردہ سے سوال و جواب کے قائل ہیں۔ اسی قبر کی وسعت و تنگی اور اسی قبر میں میت کو اٹھانے بٹھانے کے قائل ہیں اور سختی کے ساتھ۔ چنانچہ وہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب میں ایک مستقل عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:۔

وَاَمَّا الْمَسْئَلَۃُ السَّابِعَۃُ وَهِیَ قَوْلُ السَّائِلِ مَاجَوَابُنَا لِلْمَلَاحِدَۃِ وَالزَّنَادِقَۃِ الْمُنْکِرِیْنَ لِعَذَابِ الْقَبْرِ وَسَعَتِهٖ وَضِیْقِهٖ وَکَوْنِهٖ حُفْرَۃً مِّنْ حُفَرِ النَّارِ اَوْ رَوْضَۃً مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّۃِ۔ وَکَوْنِ الْمَیِّتِ لَا یَجْلِسُ وَلَا یَقْعُدُ فِیْهِ[3]

(اور ساتواں مسئلہ یہ ہے کہ سائل کہتا ہے کہ ان ملحدین و زندیقین کا کیا جواب ہے جو عذابِ قبر، قبر کی فراخی و تنگی اور اس کے آگ کا گڑھا یا جنت کا باغ ہونے نیز میت کے قبر میں بٹھانے کے منکر

---

[1] "نداءِ حق" ص ۲۲۰ [2] المصالح العقلیہ حصہ سوم ص ۳۴۰ [3] "کتاب الروح" ص ۷۵

ہیں) اب امامؒ جواب رقم فرماتے ہیں:۔

وَ اِذَا اُوْدِعَ فِی لَحْدِہٖ وَ سُوِّیَ عَلَیْہِ التُّرَابُ لَمْ یَحْجُبِ التُّرَابُ الْمَلٰئِکَۃَ عَنِ الْوُصُوْلِ اِلَیْہِ بَلْ لَوْ نُقِرَ لَہٗ حَجَرٌ فَاُوْدِعَ فِیْہِ وَخُتِمَ عَلَیْہِ بِالرَّصَاصِ لَمْ یَمْنَعْ وُصُوْلَ الْمَلٰئِکَۃِ اِلَیْہِ.[1]

جب میت کو لحد میں رکھا جاتا ہے اور اس پر مٹی ڈال دی جاتی ہے تو مٹی فرشتوں کو اس میت تک پہنچنے سے نہیں روک سکتی بلکہ اگر پتھر میں سوراخ کرکے اس میں میت کو رکھ دیا جائے اور اسے سیسے (رانگ وغیرہ) سے بند کر دیا جائے تو وہ بھی فرشتوں کو میت تک پہنچنے سے روک نہیں سکتا۔

وَمِنْ اَعْظَمِ الْجَہْلِ اِسْتِبْعَادُ شَقِّ الْمَلَکِ الْاَرْضَ وَالْحَجَرَ وَقَدْ جَعَلَہُمَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ لَہٗ کَالْہَوَاءِ لِلطَّیْرِ وَلَا یَلْزَمُ مِنْ حَجْبِہِمَا لِلْاَجْسَامِ الْکَثِیْفَتَانِ تَتَوَلَّجُ حَجْبَہُمَا لِلْاَرْوَاحِ اللَّطِیْفَۃِ وَہَلْ ہٰذَا اِلَّا مِنْ اَفْسَدِ الْقِیَاسِ وَبِہٰذَا وَاَمْثَالِہٖ کَذَبَتِ الرُّسُلُ صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِمْ.[2]

اور فرشتوں کا زمین اور پتھر کو چیر پھاڑ کر (اندر جانے کو) بعید اور مشکل سمجھنا سب سے بڑی جہالت ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لئے مٹی اور پتھر کو ایسا کر دیا ہے۔ جیسے پرندے کے لئے ہوا۔ اور ان کا کثیف چیزوں کو اندر جانے سے مانع ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ وہ لطیف ارواح کو بھی داخل ہونے سے روک دیں۔ اور یہ قیاس کرنا ایک فاسد قیاس ہے اور اس قسم کے قیاسات فاسدہ سے حضرات رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب ہوتی ہے۔

اللہ اکبر! حضرت امام قدس سرہٗ و نور اللہ مرقدہٗ نے کتنے سخت و شدید الفاظ میں اسی قبر کے اندر فرشتوں کے داخل ہونے اور اسی قبر کے اندر میت کو بٹھانے عذاب و ثواب اور اسی قبر کا آگ کا گڑھا یا جنت کا باغ، اور اسی قبر کی وسعت و فراخی یا ضیق اور تنگی کے منکرین کو تنبیہ کی ہے۔ ایسے لوگوں کو ملحد و زندیق اور رسولوں کا مکذب تک لکھ دیا ہے۔

کیا اس کے بعد بھی بعض حضرات بدستور اپنے اسی زعم فاسد پر قائم رہیں گے کہ عذاب قبر وغیرہ اس گڑھے" میں اس "دھڑ" کو نہیں ہوتا بلکہ سجین میں ذرات ازلیہ کو ہوتا ہے؟ اور اسی قبر کے اندر اسی وجود کو عذاب و ثواب وغیرہ یہ صرف عوام اور ظاہر بین ملاؤں کا خیال ہے۔

---

[1] "کتاب الروح" ص ۸۰ [2] ایضاً ص ۸۰۔

قبر کا عذاب و آرام اگر واقعی ہے تو ہمیں نظر کیوں نہیں آتا محسوس کیوں نہیں ہوتا؟

جاہل عوام تو بجائے خود ایک اہلِ علم بزرگ لکھتے ہیں اور تمسخر کے انداز میں لکھتے ہیں:۔

"ظاہر بین علماء و عوام کا خیال ہے کہ اسی گڑھے کو خدا تنگ یا وسیع کرتا ہے۔۔۔ پھر لطف یہ کہ کہتے ہیں۔۔۔ یہ دھڑ جنت کے میوے کھا کھا کے خوب موٹا ہو گیا ہے۔ مگر ہماری نگاہ غلط بین اسے دبلا پتلا دیکھ رہی ہے یا آگ میں جل کر راکھ ہوتی دیکھ رہی ہے، یا سمندر میں ڈوب کر گلی سڑی دیکھ رہی ہے۔" (ندائے حق ص ۲۴۰)

اس طعن و تمسخر اور استہزاء و انکار کی بنیاد اس بات پر ہے کہ یہ مشاہدہ کے خلاف ہے۔ ہماری نگاہ تو اسے قبر میں دبلا پتلا پڑا دیکھ رہی ہے آگ میں جل کر راکھ ہوتا دیکھ چکی ہے سمندر میں گلا سڑا دیکھ چکی ہے مگر تم کہتے ہو کہ یہ جنت کے میوے کھا کھا کے خوب موٹا ہو گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس قبر کے اندر میت کو راحت و تنعیم یا عذاب و الم نہیں ہوتا نہ یہ قبر تنگ یا وسیع ہوتی ہے کیونکہ یہ مشاہدہ کے خلاف ہے، ہمیں یہ محسوس نہیں ہوتا۔ یہ صرف ظاہر بین علماء و عوام کا خیال ہے۔

۱:۔ حکیم الامت مجدد الملت حضرت شاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ امام ابن قیم رحمہ اللہ کی عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"پس عالم برزخ کا قیاس دُنیا کے امور و مشاہدات پر کرنا محض جہالت اور گمراہی ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جھٹلانا اور خداوند تعالیٰ قادر مطلق کو ایسے امور سے عاجز جاننا ٹھیرا ہے۔ اور یہ پہلے درجہ کی جہالت و گمراہی اور ظلم ہے رب العالمین اس سے کیسے عاجز ہے کہ جس پر چاہے قبر کشادہ کرے اور لوگوں کی نظر سے اس کو پوشیدہ رکھے۔ وہ قادر ہے کہ لوگوں کو ایک چیز تنگ دکھائی دے حالانکہ وہ بہت کشادہ اور خوشبودار اور بہت بڑی نورانی اور روشن ہو اور لوگ اس کو دیکھ نہ سکیں اور اسی طرح بالعکس۔۔۔۔ قبر کا تنگ یا فراخ ہونا یہ بھی ایک عالمِ باطن کے اسرار میں سے ہے، جسے اہلِ دنیا کی آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں، عقلیں دریافت نہیں کر سکتیں، ہاں اہلِ کشف صوفی و اولیاء اللہ لوگ دیدۂ باطن سے اس کو دیکھ لیتے ہیں۔ اہلِ باطن لبسا اوقات کشف قبور

کے ذریعے سے مُردوں کو قبروں میں معذب و مثاب دیکھتے ہیں [1]

حضرت حکیم الامت کے اس ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ قبر کی تنگی یا فراخی عالم باطن کے اسرار میں سے ہے۔ اور قبر کا عذاب و آرام یہ عالم برزخ کی چیز ہے۔ عالم برزخ کے امور کو دنیا کے امور و مشاہدات پر قیاس کرنا اور عدم مشاہدہ کی صورت میں ان کا انکار کرنا جہالت و ضلالت اور ظلم ہے۔ اور اصدق الصادقین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور قدرتِ الٰہی کا انکار ہے۔ یہ امورِ عالم باطن کے اسرار میں سے ہیں، جنہیں دنیوی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں، نہ ہی عقلیں دریافت کر سکتی ہیں۔ ہاں انہیں دیدۂ باطن سے اہلِ کشف دیکھ لیتے ہیں۔

حضرت امام رحمہ اللہ ایک اور مقام پر رقم فرماتے ہیں:-

تَبَيَّنَ لَكَ أَنَّ مَا أَخْبَرَ بِهِ الرَّسُوْلُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَنَعِيْمِهِ وَضِيْقِهِ وَسَعَتِهِ وَضَمِّهِ وَكَوْنِهِ حُفْرَةً مِنْ حُفَرِ النَّارِ أَوْ رَوْضَةً مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ مُطَابِقٌ لِلْعَقْلِ وَإِنَّهُ حَقٌّ لَا رَيْبَةَ فِيْهِ وَإِنَّ مَنْ أَشْكَلَ عَلَيْهِ ذٰلِكَ فَمِنْ سُوْءِ فَهْمِهِ وَقِلَّةِ عِلْمِهِ [2]

واضح ہو کہ عذابِ قبر، قبر کی راحت و آرام، قبر کی تنگی و فراخی، اس کا گھونٹنا اور اس کا آگ کا گڑھا یا جنت کا باغ ہونا جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، یہ سب عقل کے مطابق ہے اور حق ہے اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں اور جسے یہ سب کچھ مشکل معلوم ہو تو یہ اس کے بدفہم اور قلیل العلم ہونے کی بنا پر ہے۔

عذاب و ثواب قبر مشاہدہ سے بھی ثابت ہے

اور حقیقت یہی ہے کہ کوئی عقل و علم کا دشمن ہی عذاب و ثواب وغیرہ کا انکار کرے گا۔ عقل و فہم اور علم و بصیرت کا دشمن ہی نہ! بلکہ بصارت و بینائی کا بھی دشمن، یعنی نگاہ سے محروم! کیونکہ عذابِ قبر تو مشاہدہ سے بھی ثابت ہے۔ سینکڑوں واقعات مشہور و شاہد ہیں کہ قبروں میں آگ شعلہ زن پائی گئی۔ اور متعدد واقعات موجود ہیں کہ اہلِ تقویٰ کی قبریں مشکبار پائی گئیں۔ کتابوں کے اندر ایسے واقعات مسطور و مذکور ہیں۔ اور عہدِ حاضر میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کا مشکبار و معطر ہونا ایک معروف واقعہ ہے۔ جس کا انکار دشمن بھی نہیں کر سکتا۔

امام ابن قیم عذابِ قبر و برزخ کے واقعات و آثار سے متعلق پورے پانچ صفحے رقم کرنے

---

[1] المصالح العقلیہ حصہ سوم ص ۳۲۶ تا ۳۲۸ ملخصاً بلفظہ [2] "کتاب الروح" ص ۷۹

کے بعد فرماتے ہیں۔

وَهٰذه الاخبار واضعافها واضعاف اضعافها مما لا يتسع لها الكتاب مما اراه الله سبحانه لبعض عباده من عذاب القبر ونعيمه عيانًا۔

یہ واقعات اور ان سے کئی گنا واقعات اور کئی گنا کے کئی گنا! جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو آنکھوں سے دکھلائے ہیں عذابِ قبر اور راحتِ قبر سے متعلق! اس کتاب میں ان واقعات کو درج کرنے کی گنجائش نہیں۔

وَاَمَّا ما روية النَّامَ فَلَوْ ذَكَرْنَاهَا لَجَاءَتْ عِدَّةَ اَسْفَارٍ وَمَنْ اَرَادَ الْوُقُوْفَ عَلَيْهَا فَعَلَيْهِ بكتاب المنامات لابن ابي الدنيا وكتاب البستان للقيروانى وغيرهما من الكتب المتضمنة لذلك وليس عند الملاحدة والزنادقة الا التكذيب بما لم يحيطوا بعلمه [1]

باقی رہا خواب میں عذاب و ثواب دیکھنے کے واقعات تو اگر ہم انہیں ذکر کریں تو کئی ضخیم کتابیں تیار ہوں جو ان واقعات سے باخبر ہونا چاہے وہ ابن ابی الدنیا کی کتاب المنامات اور امام قیروانی کی کتاب البستان پڑھے جن میں اس قسم کے واقعات ہیں اور ملحدوں اور زندیقوں کا کام تو واقعات کی تکذیب کرنا ہے۔ جن تک ان کے علم کی رسائی نہ ہوسکے۔

اس دنیا کے امور کو تو دیکھ نہیں سکتے، امورِ برزخ کو کیا دیکھیں گے

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور عجیب انداز میں رقم فرماتے ہیں:۔

اللہ سبحانہ نے آخرت اور آخرت سے متصل دن (یومِ وفات) کے امر کو اس دنیا میں لوگوں کے ادراک سے مستور اور مخفی رکھا ہے۔ اور اس میں حکمتِ الٰہی کا کمال ہے اور غیب پر ایمان لانے والوں اور نہ لانے والوں میں فرق و امتیاز کا ذریعہ ہے۔

ان امور میں سے پہلی بات یہ ہے کہ فرشتے قریب المرگ انسان پر نازل ہوتے ہیں۔ اس کے قریب بیٹھتے ہیں۔ وہ شخص ان کو آنکھوں سے دیکھتا ہے، اور وہ اس کے قریب آپس میں باتیں کرتے ہیں، اس قریب المرگ آدمی کو سلام کرتے ہیں وہ ان کو جواب دیتا ہے کبھی لفظوں میں، کبھی

---

[1] کتاب الروح، ص ۸۷

اشارہ سے اور کبھی دل سے۔ اور اس بارے میں آثار بے شمار ہیں۔ اور ان سب سے واضح اور ابلغ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ۔ (پارہ ۲۷۔ واقعہ)

پس جس وقت روح حلق تک آ پہنچتی ہے اور تم اس وقت دیکھتے ہو اور ہم (اس وقت) اس (مرنے والے) کے تم سے بھی نزدیک ہوتے ہیں۔ لیکن تم نہیں دیکھتے۔

یعنی میں اپنے ملائکہ اور رُسل کے ساتھ اس سے زیادہ قریب ہوں لیکن تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔

فَهٰذَا اَوَّلُ الْاَمْرِ وَهُوَ غَيْرُ مَرْئِيٍّ لَنَا وَلَا مُشَاهَدٌ وَهُوَ فِيْ هٰذِهِ الدَّارِ۔

پس یہ پہلا امر ہے اور یہ دکھائی نہیں دیتا اور ہمارے مشاہدہ میں نہیں آتا حالانکہ یہ اسی دنیا میں ہے۔

پھر فرشتہ ہاتھ بڑھاتا ہے روح قبض کرتا ہے اور اس سے خطاب کرتا ہے مگر حاضرین نہ اسے دیکھتے ہیں اور نہ اس کی باتیں سنتے ہیں لہ

اسی سلسلہ میں آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:۔

بلاشبہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اس دنیا میں ایسے واقعات بروئے کار لاتا ہے جو اس سے بھی زیادہ عجیب ہیں۔ یہ جبرئیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا تھا، اور آدمی کی شکل میں متشکل ہو کر آپ سے باتیں کرتا تھا۔ اور نبی کریمؐ کے پہلو میں بیٹھا ہوا شخص اسے نہیں دیکھ سکتا تھا نہ اس کی باتیں سن سکتا تھا۔ اور یہ جن ہمارے درمیان بلند آواز سے باتیں کرتے ہیں اور ہم نہیں سن سکتے۔

فرشتے کفار کو کوڑوں سے مارتے ہیں۔ ان کی گردنیں مارتے ہیں۔ اور انہیں ڈانٹتے ڈپٹتے ہیں ان کے پاس ہمارے مسلمان نہ ان فرشتوں کو دیکھتے ہیں نہ ان کی باتیں سنتے ہیں۔ اور جبرئیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سنا کے پڑھاتے تھے لیکن حاضرین نہیں سنتے تھے۔ (کتاب الروح ص ۶۹)

عذابِ قبر کے اخفاء میں حکمتِ الٰہی اور رحمتِ الٰہی مضمر ہے

حضرت امام رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:۔

جو شخص اللہ سبحانہٗ کی معرفت رکھتا ہے اور اس کی قدرت کا قائل ہے۔ وہ ان حوادث کا کیسے انکار کر

لہ کتاب الروح ص ۶۹ طبع ۱

سکتا ہے جسے اللہ نے اپنی بعض مخلوق کی نگاہ سے اپنی حکمت اور رحمت سے مخفی رکھا ہے، کیونکہ ان میں ان حوادث کے دیکھنے اور سننے کی طاقت نہیں اور بندہ کی بینائی اور قوتِ سامع عذابِ قبر کے مشاہدہ سے کمزور ہے، اور جن کو اللہ تعالیٰ نے عذاب قبر دکھلایا، ان میں سے اکثر مدہوش ہوگئے اور ان پر غشی طاری ہوگئی اور ایک مدت تک دنیوی زندگی سے متمتع نہ ہو سکے۔ اور ان میں سے بعض کے دل پھٹ گئے اور مر گئے۔ پس حکمتِ الٰہی کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے؟

وَكَثِيرًا مِمَّنْ أَشْهَدَهُ اللّٰهُ ذٰلِكَ صَعِقَ وَغُشِيَ عَلَيْهِ وَلَمْ يَنْتَفِعْ بِالْعَيْشِ زَمَنًا وَبَعْضُهُمْ كُشِفَ قِنَاعُ قَلْبِهِ فَمَاتَ فَكَيْفَ يُنْكَرُ فِي الْحِكْمَةِ الْإِلٰهِيَّةِ [1]

حضرت امام رحمہ اللہ کے ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم آخرت (برزخ) کے امور کو کوئی کیا دریافت کرے گا اس دنیا میں کئی امور ایسے ہیں جو مسلم ہیں۔ خود کتاب اللہ یا سنتِ ثابتہ سے ثابت ہیں۔ کسی کو ان کے انکار کی مجال نہیں مگر وہ بھی عوام کے علم و ادراک سے وراء الوراء ہیں۔ نہ آنکھ انہیں دیکھ سکتی ہے نہ کان سن سکتے ہیں۔ جب اس دنیا کے امور کا احساس و ادراک ہم سے نہیں ہو سکتا تو عالم برزخ سے متعلق امور کا علم و احساس کیونکر ہو گا۔

پھر یہ فرمایا کہ ان عالم باطن و عالم برزخ کے امور کا عدم علم و احساس اور عذابِ قبر وغیرہ امور کے نظر نہ آنے میں حکمتِ الٰہی کار فرما اور رحمتِ الٰہی مضمر ہے۔

۲۳۔ امام المتکلمین امام غزالی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۵ھ) عذابِ قبر پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

یہ ضروری نہیں کہ عذاب سے ظاہر بدن پر حرکت ہو جیسا کہ سونے والے شخص کے ظاہر بدن کو دیکھنے والا شخص اس لذت کا مشاہدہ نہیں کر سکتا جس کا ادراک سونے والے کو احتلام کے وقت ہوتا ہے، اور یہ دیکھنے والا اس درد و الم کا ادراک نہیں کر سکتا جس کا احساس سونے والا مار کے تخیل سے کرتا ہے۔ بَلِ النَّاظِرُ إِلَى ظَاهِرِ النَّائِمِ لَا يُشَاهِدُ مَا يُدْرِكُهُ النَّائِمُ مِنَ اللَّذَّةِ عِنْدَ الْاِحْتِلَامِ وَمِنَ الْأَلَمِ عِنْدَ تَخَيُّلِ الضَّرْبِ [2]

۲۵۔ امام ابن ہمام اور امام مقدسی رحمہما اللہ لکھتے ہیں:۔

اس سے کوئی محال لازم نہیں آتا کہ دیکھنے والا میت سے عذاب وغیرہ کا کوئی اثر نہیں دیکھتا۔

---

[1] کتاب الروح ص ۷۰۔ [2] الاقتصاد فی الاعتقاد مطبوعہ قاہرہ ص ۹۰، تسکین الصدور ص ۷۷۔

فان النائم ساكن بظاهره وهو مع ذلك يدرك من الآلام واللذات ما يعيش تأثيره عند يقظته ومن مناهم تخرج منى من جامع له في منامه

کیونکہ سونے والا شخص بظاہر ساکن ہوتا ہے لیکن بایں ہمہ وہ تکالیف اور لذات کا احساس کرتا ہے اور بسا اوقات ان کا اثر بیداری کے وقت ظاہر ہوتا ہے۔

ان دونوں بلکہ تینوں علماء اعلام رحمہم اللہ کے ان ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ مردہ پر عذاب قبر بظاہر معلوم نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر کسی مردہ کو سائنسی اصول کے مطابق ممی بنا کر شیشے کے تابوت میں رکھ دیا جائے تو مردہ برابر صحیح وسالم رہے گا اور اس پر عذاب وغیرہ کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوگا مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مردہ کو بھی کوئی عذاب وغیرہ نہیں ہو رہا۔ اس کی مثال ان دونوں عبارتوں میں رؤساء متکلمین اسلام نے یہ دی ہے کہ ایک انسان نیند کر رہا ہے۔ اور نیند میں وہ خواب کے اندر مباشرت کرتا ہے تو اسے لذت محسوس ہوتی ہے ناپاکی کا اثر بیدار ہونے کے بعد اس شخص کے بدن اور کپڑوں پر ہوتا ہے اور شریعت خواب کے اس عمل اور اس کے اثر و نتیجہ کو تسلیم کرتی ہے اور غسل کا حکم دیتی ہے۔ اسی طرح اگر خواب میں کوئی مار پڑتی ہے تو اس کا درد والم بھی نیند میں محسوس ہوتا ہے اور بعض اوقات جاگنے پر بھی اس کا اثر باقی رہتا ہے۔ مگر یہ سب رنج وراحت لذت والم سونے والے کو محسوس ہوتا ہے قریب ہی اگر کوئی شخص بیٹھا ہوا ہے تو وہ اس کے لذات و آلام کو محسوس و معلوم نہیں کر سکتا[۱] کیونکہ بظاہر تو وہ سونے والا بالکل بے حس و حرکت خاموش پڑا ہے حدیث میں نیند کو موت کی بہن فرمایا گیا ہے۔ نیند کی آغوش میں سونے والے کے الم ولذات کا ادراک ہم نہیں کر سکتے حالانکہ خود سونے والے پر اس کے اثرات بیداری میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔

اسی طرح میت پر جو کچھ بیت رہی ہے۔ اس کا احساس بھی اس میت کو ہو رہا ہے اور یقیناً ہو رہا ہے۔ لیکن زندہ کو کچھ بھی محسوس نہیں ہو سکتا۔ اسے تو نائم کے احساس لذت والم کا علم نہیں ہو سکتا مردہ کے عذاب و آرام کا احساس کب ہو سکتا ہے؟

ایں طرفہ تماشہ بیں! سونے والا نیند کے اندر خواب میں جو کچھ دیکھتا ہے بیدار ہونے پر اس کے اثرات نہ صرف اپنے بدن پر موجود پاتا ہے بلکہ بعض اوقات یہ

---

[۱] "المسامرہ مع المسایرہ" جلد ۲ ص ۱۱۸ مطبوعہ مصر و "تسکین الصدور" ص ۴۷، م [۲] قریباً یہی الفاظ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی فرمائے ہیں (کتاب الروح) ص ۸۸

اثرات دوسروں کے بدن پر بھی ظاہر ہوتے ہیں۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

واعجب من هذا ان ارواح النائم يحصل لها في المنام آثار فتصبح تراها على البدن عيانا وهي من تأثير الروح كما ذكر القيرواني في كتاب البستان۔

اور عجیب تر بات یہ ہے کہ سونے والے کی روح کو خواب میں (دوسروں کے متعلق) جو آثار حاصل ہوتے ہیں۔ صبح کو وہی آثار وہ (دوسروں کے) بدن پر ظاہر دیکھتا ہے اور یہ روح کا روح میں تاثر ہے جیسا کہ علامہ قیروانیؒ نے اپنی کتاب "کتاب البستان" میں ذکر کیا ہے۔

۱:۔ سلف میں سے کسی نے کہا میرا ایک ہمسایہ تھا وہ حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کو سب وشتم کیا کرتا تھا ایک دن اس نے دونوں حضرات کو بہت زیادہ شتم کیا۔ میں بہت زیادہ مغموم ہوا، بغیر عشاء پڑھے سو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ فلاں شخص آپؐ کے اصحاب کو سب وشتم کرتا ہے فرمایا میرے کون سے اصحاب کو؟ میں نے عرض کیا ابو بکرؓ وعمرؓ کو۔ فرمایا یہ چھری لے لو اور اس سے اسے ذبح کر دو۔ چنانچہ میں نے وہ چھری لے کر اس کو جا پچھاڑا اور اور ذبح کر دیا۔ دیکھا کہ میرے ہاتھ پہ اس کا کچھ خون لگ گیا میں چھری پھینک کر ہاتھ زمین پر مارتے لگا کر جاگ اٹھا۔ اور اس ہمسایہ کے گھر سے چیخنے چلانے کی آواز سنی۔ پوچھا یہ کیسی آواز ہے؟ لوگوں نے کہا فلاں اچانک مر گیا ہے۔ صبح کو میں نے جا کر اسے دیکھا تو اس کی گردن پر (چھری کا) نشان تھا۔

۲:۔ ابن ابی الدنیا نے ابو حاتم رازی اور اس نے محمد بن علی سے روایت کی اس نے کہا ہم مکہ میں تھے مسجد الحرام میں بیٹھے تھے ایک آدمی اٹھا اس کا آدھا منہ کالا تھا اور آدھا سفید۔ کہا اے لوگو! مجھ سے عبرت پکڑو۔ میں (حضرات) شیخین کو سب وشتم کرتا تھا۔ ایک رات سویا ہوا تھا کوئی آیا اور میرے منہ پر طمانچہ مارا اور کہا اے عدو اللہ! اے فاسق! کیا تو ابو بکرؓ وعمرؓ کو سب نہیں کرتا تھا؟ صبح کو میری یہ حالت تھی۔

۳:۔ محمد بن عبد اللہ المعلی نے کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں کسی کے فراخ مکان میں ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اونچی جگہ پر تشریف فرما ہیں آپ کے ساتھ (حضرت) ابو بکرؓ وعمرؓ آپؐ کے سامنے کھڑے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے آپؐ سے کہا یا رسول اللہ! فلاں مجھے اور ابو بکرؓ کو گالیاں دیتا ہے۔ فرمایا اسے لے آؤ۔ چنانچہ وہ عمان کے ایک شخص کو لے آئے۔ وہ ان دونوں کو سب کرنے میں مشہور تھا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا اسے پچھاڑو۔ چنانچہ انہوں نے پچھاڑ دیا۔ فرمایا ذبح کر دو۔ چنانچہ ذبح کر دیا۔ محمد بن عبد اللہ کہتے ہیں چنانچہ میں اس کی چیخ سے بیدار ہوا۔ جب اس کے گھر کے

قریب پہنچا تو رونے دھونے کی آواز سنی۔ معلوم ہوا کہ وہ عمانی رات اپنی چارپائی پر ذبح کر دیا گیا۔ میں نے اس کے قریب جا کر دیکھا تو اس کی گردن پر اس کان سے اس کان تک جیسے ہوئے خون کا سرخ نشان تھا۔

۴:۔ قیروانی نے کہا کہ مجھے ایک فاضل شیخ نے خبر دی کہ مجھے ابوالحسن المطلبی امام مسجد نبوی نے فرمایا میں نے مدینہ میں ایک عجیب ماجرا دیکھا، ایک شخص (حضرات) ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو سب وشتم کرتا تھا ایک دن صبح کی نماز کے بعد ایک شخص سامنے آیا اس کی دونوں آنکھیں نکل کر اس کے رخساروں پر آپڑی تھیں، ہم نے اس سے قصہ پوچھا، اس نے کہا رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا علیؓ آپؐ کے سامنے کھڑے ہیں اور ابوبکرؓ و عمرؓ بھی آپؐ کے ساتھ ہیں۔ ان دونوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ ہمیں تکلیف دیتا ہے۔ ہمیں سب کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے ابوقیس! تجھے کس نے سب کرنے کو کہا؟ میں نے کہا (حضرت) علیؓ نے اور ان کی طرف اشارہ کیا اس پر حضرت علیؓ میری طرف متوجہ ہوئے، ہاتھ اٹھایا اس کی درمیان والی انگلی اور انگوٹھے کے ساتھ والی یہ دو انگلیاں میری آنکھوں کی طرف کیں، فرمایا اگر تو نے جھوٹ بولا تو اللہ تیری دونوں آنکھیں پھوڑ دے اور اپنی دونوں انگلیاں میری آنکھوں میں داخل کر دیں۔ میں نیند سے جاگ اٹھا۔ یہ حال ہے میرا، روتا تھا۔ لوگوں کو حال سناتا تھا اور زور زور سے توبہ کرتا تھا۔

۵ :۔ اور ابن ابی الدنیا کی کتاب المنامات میں ہے وہ قریش کے ایک شیخ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا میں نے شام میں ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا آدھا منہ کالا تھا۔ وہ اسے ڈھانپے رکھتا تھا میں نے اس سے اس کی حقیقت پوچھی تو اس نے بتلایا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سخت بغض رکھتا اور ان پر سب کرتا تھا۔ میں ایک رات کو سو رہا تھا کہ نیند میں ایک شخص آیا، اور مجھ سے کہا تو مجھ سے بغض رکھتا ہے اور مجھے سب کرتا ہے اور میرے منہ کے آدھے حصے پر تھپڑ مارا میں چیخ اٹھا تو میرا آدھا منہ کالا تھا۔[1]

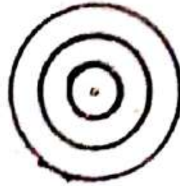
بیسیوں واقعات نقل کر کے امام ابن قیم لکھتے ہیں والوقائع فی ھٰذا الباب اکثر من ان تذکر

اس بارے میں واقعات بے شمار ہیں۔ ان سے جہاں یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ نا اہم کو

---

[1] دیکھئے کتاب الروح صفحہ [illegible]

خواب میں جو آثار محسوس ہوتے ہیں بیداری میں وہی اثرات نائم کے جسم پر نہیں بلکہ دوسروں کے جسم پر بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ وہاں یہ حقیقت بھی منکشف ہوگئی کہ یارانِ رسول ؐ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر طعن و تشنیع اور سب و شتم کرنے والے پر آخرت میں تو جو گزرے گی، گزرے گی، بعض دفعہ اسی دنیا میں اس ظالم کو اللہ رب العزت پکڑ لیتے ہیں اور وہ مرنے سے پہلے زندگی میں اور جہنم اور قبر سے پیشتر اسی دنیا میں سزا و عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضؓ کے بغض و عناد سے محفوظ رکھے اور ہمیں ان کی سچی محبت اور حسنِ عقیدت سے بہرہ اندوز فرمائے۔ آمین ثم آمین۔



۲

حیات فی القبر

(قبر میں جسم کے ساتھ رُوح کا تعلّق)

اِعَادَۃُ الرُّوحِ فِی الجَسَد

حضرت براءؓ بن عازب سے روایت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:۔

۱:- فَتُعَادُ رُوحُهٗ فِیْ جَسَدِهٖ (رواہ احمد) [۱]

پس اس (میت) کی روح اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہے

ا:- امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:۔

رواہ الامام احمد وابو داؤد وروی النسائی وابنِ ماجہ اوّلہ [۲]

ب:- رواہ احمد ورواہ ایضاً ابو داؤد والحاکم وابن ابی شیبہ وابن مندہ وابو نعیم وابو عوانۃ فی صحیحہ والبیہقی وقال ہذا حدیث صحیح الاسناد [۳]

ج:- امام ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:۔

ھٰذَا حدیث ثابت مشہور مستفیض صَحَّحَهٗ جَمَاعَةٌ مِنَ الحفاظ وَلَا نَعْلَمُ اَحَدًا مِن اَئِمَّةِ الْحَدِیْثِ طَعَنَ فِیْهِ بَلْ رَوَوْهُ فِیْ کُتُبِهِمْ وَتَلَقَّوْهُ بِالقبولِ وَجَعَلُوْهُ اَصْلًا مِنْ اُصُوْلِ الدِّین فِیْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَنَعِیْمِهٖ۔۔۔ [۴]

یہ حدیث صحیح، مشہور اور مستفیض ہے۔ اور حفاظِ حدیث کی ایک جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے اور ہمیں معلوم نہیں کہ ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس میں طعن کیا ہو۔ بلکہ انہوں نے اس کو اپنی کتابوں میں روایت کیا اور اسے قبول کیا اور قبر میں عذاب وراحت وغیرہ کے سلسلہ میں اس روایت کو اصولِ دین میں شمار کیا ہے۔

۲:- بروایت حضرت براءؓ بن عازب رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا۔ صلی اللہ علیہ وسلم:۔

وَیُعَادُ رُوحُهٗ فِیْ جَسَدِهٖ [۵]

اور اس (میت) کی روح اس کے بدن میں لوٹائی جاتی ہے

---

[۱] مشکوٰۃ المصابیح "باب مایقال عند من حضرہ الموت" [۲] کتاب الروح ص ۱۵ [۳] تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ" جلد ا ص ۳۱۴ ("مقام حیات" ص ۲۱۹) [۴] "کتاب الروح" ص ۵۹ [۵] رواہ احمد وابو داؤد ("مشکوٰۃ المصابیح" باب اثبات عذاب القبر)

حاکمؒ نے بھی اسے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔[1]

فی بمعنی الیٰ:- چونکہ قرآن و حدیث اور اجماعِ امت سے یہ ثابت و متحقق و مسلم ہے کہ موت کے بعد بدن کے اندر روح قیامت کے دن لوٹائی جائے گی۔ اس سے پہلے نہیں۔ لہٰذا ان مشہور و مستفیض صحیح احادیث کی تاویل یہ کی گئی ہے کہ فی بمعنیٰ الیٰ ہے اور روح بدن میں لوٹائی جاتی ہے کے معنیٰ ہیں روح بدن کی طرف لوٹائی جاتی ہے نہ کہ بدن کے اندر ڈالی جاتی ہے۔

حضرت جابرؓ کی روایت میں خود الیٰ کا لفظ ہے۔ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم نے:-

فاذا دخل قبرہ ردّ الروح الی جسدہ (اخرج ابن ابی الدنیا و ابو نعیم)[2]

اِعَادَۃُ الرُّوحِ اِلَی الجَسَدِ

ائمہ دین نے فی کو الیٰ سے تعبیر کیا ہے۔

(۱):- امام الائمۃ الامام الاعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ (متوفی ۱۵۰ھ) کا ارشاد ہے:-

وَسُؤَالُ مُنْکَرٍ وَنَکِیرٍ حَقٌّ کَائِنٌ فِی الْقَبْرِ وَاِعَادَۃُ الرُّوحِ اِلَی جَسَدِ الْعَبْدِ فِی قَبْرِہٖ حَقٌّ وَضَغْطَۃُ الْقَبْرِ وَعَذَابُہٗ حَقٌّ[3]

منکر و نکیر کا سوال حق ہے قبر میں ہوگا اور قبر میں بندے کے جسم کی طرف روح کا لوٹانا حق ہے اور قبر کا بھینچنا اور عذاب حق ہے۔

(۲):- شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (متوفی ۷۲۸ھ) کا قول ہے:-

الاحادیثُ الصحیحۃُ المتواترۃُ تَدُلُّ عَلَی عَوْدِ الرُّوحِ اِلَی الْبَدَنِ وَقْتَ السُّؤَالِ[4]

احادیث صحیحہ متواترہ، (منکر نکیر کے) سوال کے وقت روح کے بدن کی طرف عود پر دلالت کرتی ہیں۔

(۳):- شیخ الاسلام امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:-

الجمہور فقالوا تُعَادُ الرُّوحُ اِلَی الْجَسَدِ اَوْ بَعْضِہٖ کَمَا ثَبَتَ فِی الحدیث۔[5]

جمہور کہتے ہیں کہ روح کو جسم کی طرف لوٹایا جاتا ہے، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔

(۴):- علامہ سید آلوسی بغدادی رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق تفسیر میں لکھتے ہیں:-

وَالجمہور علی عَوْدِ الرُّوحِ اِلَی الْجَسَدِ اَوْ بَعْضِہٖ وَقْتَ السؤال[6]

---

[1] "فیض الباری" شرح بخاری حاشیہ ص ۴۴۸ جلد اوّل [2] "شرح الصدور" از علامہ جلال الدین سیوطیؒ مطبوعہ مصر ص ۴۳ [3] "الفقہ الاکبر" الامام الاعظم رضی اللہ عنہ مطبوعہ مصر ص ۱۸۴ [4] "کتاب الروح" لابن القیمؒ المسئلۃ الاولیٰ ص ۶۲ [5] "فتح الباری" باب عذاب القبر [6] "روح المعانی" جلد ۲۲ ص ۵۷

ملاحظہ فرمایا، نہ صرف امام الائمہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ الاسلام ابن حجر رحمہم اللہ بلکہ جمہور ائمہ اہل سنت اعادۂ روح فی الجسد کے معنیٰ عود الروح الی الجسد فرماتے ہیں جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ روح بدن کے اندر نہیں بلکہ بدن کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔

تعلّق الرّوح بالجسد

اور بدن کی طرف روح لوٹانے کا مقصد روح کا بدن کے ساتھ فی الجملہ تعلّق قائم کر دینا ہے۔

حضرت امام ابن قیم رحمہ اللہ (متوفّٰی ۷۵۱ھ) اعادۂ روح کو تعلّق بالبدن سے تعبیر کرتے ہیں۔

ثُمَّ تعادُ رُوحهٗ فی جَسَدِهٖ لا یَدُلُّ عَلٰی حَیَاةٍ مُسْتَقَرَّةٍ وَاِنَّمَا یَدُلُّ عَلٰی اِعَادَةٍ لَهَا اِلَی الْبَدَنِ وتعلّق بِهٖ وَالرّوحُ لَمْ تَزَلْ مُتَعَلِّقَةً بِبَدَنِهَا وَاِنْ بَلٰی وَتَمَزَّقَ لہ	پھر میّت کی روح کا اس کے جسم میں لوٹانا حیاتِ مستقلہ پر دلالت نہیں کرتا یہ روح کے بدن کی طرف اعادہ اور اس کے ساتھ تعلّق پر دلالت کرتا ہے اور روح کا تعلّق بدن سے ہمیشہ رہتا ہے خواہ بدن بوسیدہ اور ذرّہ ذرّہ ہو جائے۔

دیکھئے شارحِ "الفقہ الاکبر" امام العصر حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ (متوفّٰی ۱۰۱۴ھ) اعادۂ روح کی شرح تعلّقِ روح سے فرماتے ہیں:۔

وَاِعَادَةَ الرُّوحِ اَیْ رَدِّهَا (وتعلّقها) اِلَی الْعَبْدِ (اَیْ جسدہٖ بجمیع اجزائہ اَوْ بعضها مجتمعة (ومتفرقة فی قبرہ حقٌّ ۲ ہ	اور روح کا لوٹانا یعنی اس کا پھیرنا یا اس کا تعلّق بندے کی طرف یعنی اس کے جسم کی طرف تمام اجزا یا بعض اجزاء کی طرف، مجتمع ہوں یا متفرق اس کی قبر میں حق ہے۔

خلاصہ یہ کہ قبر میں بدن کے ساتھ روح کا تعلّق قائم کر دیا جاتا ہے۔

اتّصال الروح بالجسد (جسم کے ساتھ روح کا اتّصال)

بعض اجلّہ عمائدِ امت نے اس تعلّق کو اتصال سے تعبیر فرمایا ہے:۔

خاتم المفسرین علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ (المتوفّٰی ۱۲۷۰ھ) ارشاد فرماتے ہیں:۔

۱:۔ وعوّل بعض المحقّقین علٰی اَنّ الارواح حیث کانت لها اتّصال	بعض محققین نے اس پر اعتماد کیا کہ ارواح جہاں بھی ہوں ان کا اجسام کے ساتھ اتّصال ہے، جس

لہ "کتاب الروح" ص ۵۳ ۲ہ "شرح فقہ اکبر" از ملا علی قاری مطبوعہ مصر ص ۹۰

لَا یَعْلَمُ حَقِیْقَتَهٗ اِلَّا اللّٰه تعالیٰ بذٰلك ترد السَّلام وتعرف الْمُسَلِّمَ وَیُعْرَضُ عَلَیْهَا مَقْعَدُهَا مِنَ الْجَنَّةِ اَوِ النَّارِ ؂۱

کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اسی اتصال سے وہ سلام کا جواب دیتی ہیں اور سلام کرنے والے کو پہچانتی ہیں، اور اسی اتصال سے ان پر ان کا ٹھکانا، بہشت یا دوزخ پیش کیا جاتا ہے۔

۴۲ - امام ابن قیم رحمہ اللہ :-

فَلَیْسَ لِلْاَرْوَاحِ سَعِیْدِهَا وَشَقِیِّهَا مُسْتَقَرٌّ وَاحِدٌ وکلّها علی اختلاف محالها وتباینِ مقارها لَهَا اِتِّصَالٌ بِاَجْسَادِهَا فِی قُبُوْرِهَا مَا یَحْصُلُ لَهٗ من النَّعیم والعذاب ؂۲

سعید و شقی روحوں کا مقام واحد نہیں، اختلاف محل و مقر کے باوجود سب روحوں کو قبروں میں اپنے اجساد سے اتصال ہے۔ تاکہ موتی کو عذاب و آرام محسوس ہو سکے۔

۴۳ :- شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ :-

لِکُلِّ رُوْحٍ بِجَسَدِهَا اِتِّصَالٌ مَعْنَوِیٌّ لا یشبه الاتّصال فی الحیٰوۃ الدنیا ؂۳

ہر روح کو اس کے جسم کے ساتھ معنوی اتصال ہے، جو دنیوی زندگی کے اتصال سے مشابہ نہیں۔

قبر میں جسد کا اتصال معنوی ہے، حقیقی نہیں، یعنی جس طرح دنیوی زندگی میں روح و جسم کا اتصال تھا، ویسا اتصال قبر میں نہیں۔

۴۴ :- خاتم المفسرین حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ متوفی (۱۲۲۵ھ) رقم فرماتے ہیں :-

ارواح مومنین کی جگہ علیین ہے اور ارواح کفار کی جگہ سجین :-

وَمَعَ ذٰلِكَ لِکُلِّ روحٍ منها اِتِّصَالٌ بجسده فی قبره لا یدرك کنهه الّا اللّٰه تعالیٰ وَبذلك الاتّصال یَصِحُّ اَنْ یُعْرَضَ علی الانسانِ المجموع المرکب مِنَ الْجَسَدِ وَالرُّوحِ مقعده من الجنّةِ او النّار ویحسّ اللذّة او الالم ویسمع سلام الزائر و

بایں ہمہ ہر روح کا جسم کے ساتھ قبر میں اتصال جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اس اتصال کی وجہ سے صحیح ہے کہ انسان پر جو جسم اور روح دونوں کا مجموعہ اور مرکب ہے اس کا ٹھکانا پیش کیا جائے۔ جنت یا آگ سے! اور وہ لذت یا دکھ محسوس کرے اور زیارت

؂۱ تفسیر "روح المعانی" پارہ ۵ تفسیر آیت یسئلونك عن الروح ؂۲ "شرح الصدور" ص ۱۰۱ ؂۳ ایضاً ص ۱۰۲

یجیب المنکر والنکیر ونحو ذلک مما ثبت بالکتاب والسنۃ [1]

کرنے والے کا سلام سنے اور منکر ونکیر کا جواب دے اور اس کی مثل جو امور کتاب وسنت سے ثابت ہیں۔

نوعًا من الحیاۃ

ائمہ دین نے اسی تعلق واتصالِ روح بالجسد کو ایک نوع کی حیات سے تعبیر فرمایا ہے:-

۱:- امام المتکلمین علامہ سعد الدین تفتازانی (متوفی ۷۹۲ھ) لکھتے ہیں:-

ویجوز ان یخلق اللہ تعالیٰ فی جمیع الاجزاء او فی بعضہا نوعًا من الحیوۃ قدر ما یدرک الم العذاب ولذۃ التنعیم [2]

اور جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کے تمام اجزاء یا بعض میں ایک گونہ حیات پیدا کر دے جس سے وہ عذاب کا دکھ درد اور نعمتوں کی لذت محسوس کر سکے۔

۲:- امام الفقہاء والمحدثین حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:-

واعلموا ان اہل الحق اتفقوا علی ان اللہ تعالیٰ یخلق فی المیت نوع حیوۃ فی القبر قدر ما یتالم او یتلذذ [3]

جان لیجئے کہ سب اہل حق (اہلسنت) کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت کے اندر اس قسم کی حیات پیدا فرما دیتے ہیں کہ وہ الم ولذت سے بہرہ ور ہو سکے۔

غور فرمائیے، امام الاحناف قبر میں اس نوعیت کی حیات پر اہلِ حق کا اتفاق نقل فرما رہے ہیں، یعنی حیاتِ میت فی القبر اہلِ سنت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

۳:- رأس الاتقیاء حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتی رحمہ اللہ خلیفہ اعظم امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

موت کے بعد بھی انسان میں ایک نوعِ حیات موجود رہتی ہے۔ جس سے وہ ثواب اور عذاب سمجھتا ہے۔ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ میت کو چارپائی پر قبرستان لے جاتے وقت اگر مومن ہے تو "قدمونی، قدمونی" (مجھے جلد پہنچا دو) کہتا ہے۔ اور اگر نافرمان اور کافر ہے تو کہتا ہے "اے مجھے ہلاکت ہو مجھے کہاں لے جا رہے ہو" قبر میں سوالِ منکر ونکیر، میت سے دفن کے بعد لوگوں کے واپسی کے وقت جوتوں کی آواز سننا، قبر میں عذاب اور ثواب یہ دلیل ہے کہ موت کے بعد بھی انسان میں ایک قسم کی حیات موجود رہتی ہے۔ شہداء کے حق میں قرآن کا اعلانِ "احیاء" "حیاتِ میت" کی دلیل ہے۔
مسکین نصیر الدین غورغشتوی [4]

---

[1] تفسیر مظہری جلد ۱۰ ص ۲۲۵، پارہ ۳۰ سورۃ التطفیف [2] شرح عقائد ص ۷۷ [3] شرح فقہ اکبر، مطبوعہ مصر ص ۹۰
[4] "مقامِ حیات" ص ۲۶۹

حیات فی القبر نوعًا من الحیات کے بعد اتصال و تعلقِ روح بالجسد کو حیات فی القبر سے تعبیر کر دیا گیا۔ اور یہ حیات فی القبر حضرات انبیاء و صدّیقین و شہدا و صالحین علیہم السلام سے مختص نہیں، بجمیع موتیٰ سے متعلق ہے یعنی عام مُردوں سے متعلق!

امام تقی الدین السُبکی (متوفی ۷۵۶ھ) رقمطراز ہیں:۔

وَقَدْ اَجْمَعَ اَهْلُ السُّنَّةِ عَلٰی اَثْبَاتِ الْحَیٰوةِ فِی الْقُبُوْرِ......

بیشک قبروں میں اثباتِ حیات پر اہلسنت کا اجماع ہے۔

(پھر آگے لکھتے ہیں:۔)

اِنَّ حَیٰوةَ جَمِیْعِ الْمَوْتٰی بِاَرْوَاحِهِمْ وَاَجْسَامِهِمْ فِیْ قُبُوْرِهِمْ لَا شَكَّ فِیْهَا[1]

بلاشبہ تمام مُردوں کا قبروں میں اپنے ارواح اور اجسام (دونوں) کے ساتھ زندہ ہونا، اس میں کوئی شک نہیں۔

حیات فی القبر کی نوعیت

(یہ حیات حقیقی نہیں، معنوی ہے، دنیاوی حیات سے مغائر)

ہر میت کی روح کو بدن کے ساتھ اتصال و تعلق ہے اور اسی بنا پر ہر مردہ کو قبر میں ایک گونہ حیات حاصل ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس حیات فی القبر کی نوعیت کیا ہے؟ اس کے لئے علماء اعلام امت کے ارشادات ملاحظہ ہوں۔

۱:۔ شیخ الاسلام امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م ۸۵۲ھ) کا ارشاد ابھی نقل ہوا ہے۔ فرماتے ہیں کہ۔

"ہر روح کو جسم کے ساتھ معنوی اتصال ہے۔

لَا یُشْبِهُ الْاِتِّصَالَ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا[2]

جو دنیوی زندگی میں روح کے اتصال بالجسد کے مشابہ نہیں۔

یعنی قبر میں جسم کے ساتھ اتصالِ روح کی نوعیت دوسری ہے۔ وہ دنیا والی نہیں۔ گویا اتصالِ روح بالجسد سے قبر میں جو حیات تسلیم کی گئی ہے، وہ دنیوی حیات سے مشابہ نہیں بلکہ مغائر ہے، فی الجملہ قبر میں زندگی تو ہے مگر دنیوی زندگی کی طرح حقیقی نہیں، معنوی ہے۔

---

[1] "شفاء السقام" مطبوعہ حیدرآباد دکن ص ۱۵۱ و ۱۵۳ ("تسکین الصدور" ص ۷۰) [2] "شرح الصدور" ص ۱۰۲

۲:- خاندانِ ولی اللّٰہی کے چشم و چراغ خاتم المحدثین والمفسرین حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:-

در قبر احیاء و اماتت حقیقتہ نیست بسبب انعکاس اشعۂ روح بر بدن تعلق پیدا می شود کہ تغذیہ و تنمیۂ بدن ہمراہ آں نمے باشد تا معنی حیات متحقق باشد بلکہ آں تعلق شبیہ است بتعلق عاشق بمعشوق یا مالک بمملوک کہ آلۂ تعذیب و تنعیم مے تواند شد۔

قبر میں زندہ کرنا اور مارنا حقیقی نہیں بلکہ بدن پر روح کی شعاؤں کے انعکاس کے سبب بدن سے روح کا ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے، اس تعلق سے بدن کو غذا نہیں ملتی نہ اس کی نشوونما ہوتی ہے۔ کہ حقیقی حیات متحقق ہو۔ بلکہ وہ تعلق عاشق و معشوق اور مالک و مملوک کے تعلق کے مشابہ ہے کہ اس سے بدن کو عذاب یا نعمتوں کا احساس ہو سکے....

در عرف تعلق روح را بہ بدن مطلقاً از یں نوع باشد یا ازاں نوع، حیات مے گویند، و در بعضے آیات و احادیث ایں تعلق را بحیات تعبیر کردہ اند[1]

بدن سے روح کا تعلق اس قسم کا ہو خواہ اس قسم کا! عرف میں مطلق اس تعلق کو حیات کہتے ہیں اور بعض آیات و احادیث میں بھی اس تعلق کو حیات سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشادِ بلیغ سے جہاں یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ قبر کی حیات حقیقی نہیں، صرف روح کی شعاؤں کے پرتو سے بدن میں اتنی زندگی پیدا ہو جاتی ہے کہ تعذیب و تنعیم کو محسوس کر سکے ورنہ حیات کا حقیقی معنی متحقق نہیں ہوتا۔ وہاں یہ راز بھی کھل گیا کہ عرف میں روح کے بدن کے ساتھ اسی تعلق کو حیات کہتے ہیں اور یہ حقیقت بھی منکشف ہو گئی کہ آیات و احادیث میں بھی اسی تعلق روح بالجسد کو حیات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ گویا نہ صرف عرف میں اسی تعلق کو زندگی کہا جاتا ہے بلکہ عند اللہ اور عند الرسول بھی یہی تعلق زندگی ہے۔

۳:- امام قاسم بن قطلوبغا (متوفی ۸۷۹ھ) لکھتے ہیں:-

قال الامام القونوی[2] اختلفوا فی انہ یخلق فیہ حیوٰۃ مطلقۃ کحیاتہ قبل الموت او حیوٰۃ بقدر ما یحس الالم والصحیح ھذا[3]

امام قونوی رح فرماتے ہیں کہ اس بات میں اختلاف ہے کہ میت میں حیات مطلقہ (کاملہ) پیدا کی جاتی ہے، معرفت سے پہلے کی حیات کی طرح! یا اس قدر حیات پیدا کی جاتی ہے جس سے وہ دکھ کا احساس کر سکے اور یہی صحیح ہے۔

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ، مطبوعہ ثمر ہند، دہلی ص ۳۸۲ شائع شدہ ۱۲۹۵ھ [2] الامام القونوی (م ۷۵۸ھ) [3] شرح المسائرہ للقطلوبغا جلد ۲ ص ۱۱۶ مطبوعہ مصر ("تسکین الصدور" ص ۵۷)

قبر کی حیات، حیات مطلقہ، قبل موت کی حیات کی طرح نہیں بلکہ یہ فی الجملہ حیات ہے۔ جس سے میت کو الم ولذت کا احساس وادراک ہو سکے۔

۴۔ علامہ ابن عبدالہادی (متوفی سنہ) لکھتے ہیں:۔

وفی الجملۃ ردّ الروح علی المیت فی البرزخ وَرَدُّ السلام علی مَن یُسَلِّم علیہ لَا یَسْتَلْزِمُ الحَیٰوۃَ الَّتِی یَظُنُّھا بعض الغَالِطِین وَاِنْ کان نوع حیات بَرْزَخِیَّۃ وَقَوْلُ مَنْ زَعَمَ اَنَّمَا نظیرُ الحیٰوۃِ المَعْھُوْدَۃِ مخالفٌ لِلْمَنْقُوْلِ والمعقول [1]

خلاصہ یہ کہ برزخ میں میت کی طرف روح کا لوٹانا اور اس کا سلام کرنے والوں کو جواب دینا اس حیات کو مستلزم نہیں جس کو بعض مغالطین نے سمجھا ہے۔ اگرچہ یہ حیاتِ برزخیہ کی ایک قسم ہے اور جن لوگوں کا زعم ہے کہ وہ برزخی حیات (دنیا کی) معروف زندگی کی طرح ہے ان کا قول نقل وعقل (دونوں) کے خلاف ہے۔

یہ حیات فی البرزخ، حیاتِ برزخیہ کی ایک قسم ہے۔ دنیا کی معروف زندگی کی طرح نہیں، اگر کوئی یہ کہے کہ بالکل دنیا کی معروف ومعلوم زندگی کی طرح ہے تو یہ عقل ونقل دونوں کے خلاف ہے۔

۵۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:۔

مَنْ ظَنَّ اَنَّ المیت یُحْیٰی فِی قَبْرِہٖ ..... اِنْ اَرَادَ بہ الحیٰوۃ المعھودۃ فی الدنیا... فَھٰذَا خطاء وَالحِسُّ وَالعَقْلُ یُکَذِّبُہٗ، کَمَا یُکَذِّبُہُ النصُّ وَاِنْ اراد بہ حیات اُخْرٰی غیر ھٰذِہِ الحیٰوۃ بَلْ تعاد الروح اِلیہ اعادۃ غیر الاعادۃ المالوفۃ فی الدنیا یُسْئَلُ وَیُمْتَحَنُ فِی قبرہ فَھٰذَا حقٌّ وَنفیہ خطاءٌ وَقَدْ دَلَّ علیہ النصُّ الصحیح الصریح وَھُوَ قَوْلُہٗ صلی اللہ علیہ وسلم فَتُعَادُ الروحُ فی جَسَدِہٖ [2]

جس کا یہ خیال ہے کہ میت قبر میں زندہ کی جاتی ہے... اگر اس سے دنیا کی معروف زندگی مراد ہے تو یہ غلط ہے اور حس اور عقل کی طرح نص بھی اس کی تکذیب کرتی ہے۔ اور اگر قبر کی حیات سے اس دنیا کی زندگی کے علاوہ کوئی دوسری حیات مراد ہے جس میں روح بدن کی طرف لوٹائی جائے۔ لیکن یہ اعادہ دنیا کی زندگی میں اعادہ مالوفہ کے علاوہ ہو، جس سے قبر میں اس سے سوال اور امتحان ہو سکے سو ایسی حیات حق ہے اور اس کی نفی غلط ہے۔ اور بیشک اس پر صحیح وصریح حدیث دلالت کرتی ہے کہ "روح جسم میں لوٹائی جاتی ہے"۔

---

[1] "الصارم المنکی" ص ۱۸۷ (تسکین الصدور" ص ۹۵) [2] "کتاب الروح" ص ۵۲

حضرت امام کا یہ بیان نہایت واضح ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قبر کی حیات تو حق ہے اس کا انکار خطا ہے لیکن حیاتِ قبر کو دنیا کی معروف زندگی سمجھنا بھی حس، عقل، نقل اور نص سب کے خلاف ہے۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :۔

هٰذا عَوْدٌ غَيْرُ التعلّق الّذی کَانَ لَهَا فِی الدُّنْيَا بِالْبَدَنِ وَهُوَ نَوْعٌ آخَر[1]

قبر میں روح کا اعادہ، روح اور بدن کے اس تعلق سے مغائر ہے جو دنیا میں تھا، یہ تعلق دوسری نوعیت کا ہے۔

جب اس دنیا میں حیاتِ کاملہ کا اعادہ ثابت ہے تو حیاتِ غیر مستقرہ کا اعادہ کیوں ممکن نہیں

یہاں حضرت امامؒ اس سلسلہ میں ایک عجیب علمی ایمان افروز بحث فرماتے ہیں۔ قرآن کریم سے کئی واقعات نقل کرتے ہیں۔ جن میں اسی دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں عارضی طور پر حیاتِ کاملہ پیدا فرماتے ہیں اور پھر ان کو موت دیتے ہیں۔ امام رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی وجہ سے بندوں میں کامل حیات اور پوری زندگی کا اعادہ فرماتے ہیں۔ تو ان کی قدرتِ کاملہ کے سامنے یہ کیا ناممکن یا مشکل ہے کہ وہ سوال و جواب یا عذاب و ثواب قبر کے لئے بندوں میں ایک گونہ حیات پیدا فرما دیں۔ جو حیاتِ تامہ سے مغائر ہو۔

ایک اور مقام پر حضرت امام قبر کی زندگی اور دنیا کی زندگی کے مابین فرق کو ایک مثال دے کر واضح کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں :۔

وَاِذَا کَانَ النَّائِمُ رُوْحُهٗ فِی جَسَدِهٖ وَهُوَ حَیٌّ وَحَيَاتُهٗ غَيْرُ حَيَاتِ الْمُسْتَيْقِظِ فَاِنَّ النَّوْمَ شَقِيْقُ الْمَوْتِ فَهٰكَذَا الْمَيِّتُ اِذَا اُعِيْدَتْ رُوْحُهٗ اِلٰی جَسَدِهٖ کَانَتْ لَهٗ حَالٌ مُتَوَسِّطَةٌ بَيْنَ الْحَیِّ وَبَيْنَ الْمَيِّتِ الَّذِی لَمْ تُرَدَّ رُوْحُهٗ اِلٰی بَدَنِهٖ كَحَالِ النَّائِمِ الْمُتَوَسِّطَةِ بَيْنَ الْحَیِّ وَالْمَيِّتِ فَتَاَمَّلْ هٰذَا يُزِيْحُ عَنْكَ اِشْكَالَاتٍ كَثِيْرَةً[2]

اور جب سونے والے کی روح اس کے جسم میں ہوتی ہے اور وہ زندہ ہوتا ہے لیکن اس کی زندگی بیدار آدمی کی زندگی سے مغائر ہوتی ہے، کیونکہ نیند موت کی بہن ہے سو اسی طرح مردہ کہ جب اس کے جسم کی طرف روح لوٹائی جائے گی تو اس کا حال زندہ اور اس مردہ کے بین بین ہوگا، جس کی طرف اس کی روح نہیں لوٹائی گئی۔ جیسا کہ سونے والے کا حال زندہ اور مردہ کے بین بین ہوتا ہے، تو اس مثال میں غور

[1] "کتاب الروح" ص ۶۲ [2] ایضاً ص ۵۷

کرے گا تو اس سے تیرے بہت سے اشکالات دور ہو جائیں گے۔

جس طرح نائم اور بیدار زندہ تو دونوں ہیں۔ روح تو دونوں میں برابر ہے لیکن ان دونوں کی زندگی میں فرق و تفاوت ہے۔ نائم زندہ تو ہے لیکن اس کا حال زندہ اور مردہ کے بین بین ہے۔ اسی طرح قبر کی زندگی کا حال ہے کہ میّت زندہ تو ہے مگر زندہ اور میّت کی زندگی میں فرق و تفاوت ہے جس طرح نائم کا حال زندہ اور مُردہ کے بین بین ہے۔ اسی طرح میّت کا حال زندہ اور اس مردہ کے بین بین ہے جس کی طرف روح نہ لوٹائی گئی ہو۔ بہر حال قبر کی زندگی دنیوی زندگی سے متفاوت اور متغائر ہے۔ وہ زندگی تو ہے مگر دنیا کی زندگی کی طرح کامل زندگی نہیں، فی الجملہ زندگی ہے۔ ایک گونہ زندگی ہے۔

۶۔ رأس المتکلمین حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی (متوفّٰی ۱۰۶۷ھ) خیالی کی شرح میں لکھتے ہیں۔

لیس المراد بالحیّ ھٰھنا ما یعاد فیہ الروح ویصدر عنہ الافعال الاختیاریہ بل ما یدرک الالم واللذۃ فاذا خلق اللّٰہ فیہ ادراکاً یکون حیاً لا جاداً لہ	اس جگہ حی سے مراد یہ نہیں کہ اس میں روح (پورے طور پر بدن کے اندر) پھر ڈال دی گئی اور اس سے افعالِ اختیاریہ صادر ہوتے ہیں، بلکہ زندہ سے مراد یہ ہے کہ وہ لذت والم کا ادراک کر سکے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس میں ادراک پیدا کر دیا وہ زندہ ہو گیا، جماد نہ رہا۔

قبر میں زندہ کے یہ معنی نہیں کہ اس کے وجود میں روح پھر ڈال دی گئی اور اس سے اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا وغیرہ افعال بھی صادر ہوں۔ بلکہ صرف اس قدر حیات مراد ہے جس سے دُکھ، سُکھ، الم و لذت کا ادراک و احساس ہو سکے۔ جب اللہ تعالیٰ نے مردہ کے اندر اس قسم کا ادراک پیدا کر دیا تو گویا وہ زندہ ہو گیا، جامد مطلق نہ رہا۔

۷۔ خاتم المحققین علامہ عبدالعزیز پرہاروی (متوفّٰی ۱۲۴۰ھ) نبراس "شرح شرح العقائد" میں رقم فرماتے ہیں:

انّہ یجوز ان یخلق اللّٰہ تعالیٰ فی جمیع الاجزاء من بدن المیت او فی بعضھا نوعاً من الحیٰوۃ مغائر لھٰذا النوع الحاصل قبل الموت	بلاشبہ یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کے جمیع اجزاء میں یا بعض میں ایک نوع کی زندگی پیدا فرما دیں۔ موت سے پہلے کی زندگی کی نوع سے مغائر، جس سے میّت عذاب

لہ "عبدالحکیم علی الخیالی" ص ۱۱۸، "النبراس" علی "شرح العقائد" ص ۳۲۱

قد رمایدرک الم العذاب او لذۃ التنعیم وھذا اٰے ادراک الالم واللذۃ لا یستلزم اعادۃ الروح فی البدن .... ان المستلزم لاعادۃ الروح انماھو الحیٰوۃ الکاملۃ وَاَمَّا اِدْرَاکُ الْاَلَمِ وَاللَّذَّۃِ فَیُمْکِنُ اَنْ یَحْصَلَ بِاَدْنیٰ تعلق لِلرُّوحِ بِالْبَدَنِ سَوَاءٌ کَانَ الرُّوحُ فَوْقَ السَّمَاءِ السَّابِعَۃِ اَوْمَحْبُوْسًا فِیْ سِجِّیْنٍ وَشَبَّھُوا ھٰذَا التعلق بِوُقُوعِ شُعَاعِ الشَّمْسِ مِنَ السَّمَاءِ الرَّابِعَۃِ عَلَی الْاَرْضِ ؎۱

کا دُکھ اور نعمتوں کی لذت کا ادراک کر سکے اور اس الم ولذت کے ادراک کو بدن کے اندر روح کا لوٹانا لازم نہیں، روح کا لوٹانا (بدن میں) حیاتِ کاملہ کے لئے لازم ہے۔

رہا دُکھ سکھ کا ادراک ، سو وہ روح کے بدن کے ساتھ ادنیٰ تعلق سے بھی حاصل ہو سکتا ہے خواہ روح ساتویں آسمان سے اوپر ہو۔ خواہ سجّین میں مقید ہو۔ اور اس تعلق کو چوتھے آسمان سے سورج کی شعاع کے زمین پر پڑنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

قبر میں صرف اس قدر حیات کی ضرورت ہے جس سے الم ولذت، دُکھ سکھ کا احساس وادراک ہو سکے۔ اور اس کے لئے بدن کے اندر روح کو واپس لوٹانے کی ضرورت نہیں وہ تو حیاتِ کاملہ کیلئے لازم ہے، دُکھ سکھ کا ادراک تو بدن کے ساتھ روح کے معمولی سے تعلق سے بھی ہو سکتا ہے۔ خواہ روح کہیں ہو اس کا بدن کے ساتھ ایسا تعلق قائم ہو جاتا ہے جیسے سورج کی شعاعوں کا زمین سے تعلق ہے۔

۸: حاشیہ پر اس کی مثال دی ہے۔

کما ان حیٰوۃ النائم وھو حیٌّ غیر حیٰوۃ المستیقظ فان النوم اخو الموت ولا ینفی عن النائم اطلاق الحیٰوۃ فکذلک حیٰوۃ المیّت عند الاعادۃ غیر حیٰوۃ الحیّ وھی حیٰوۃ لا تنفی عنہ اطلاق اسم الموت بل امر متوسط بین الحیٰوۃ والموت کما ان النوم متوسط بینھما ؎۲

جیسے نیند والے کی حیات حالانکہ وہ زندہ ہے جاگنے والے کی حیات کے مغائر ہے، بے شک نیند موت کی بھائی ہے اور سونے والے پر حیات کے اطلاق کی نفی نہیں ہوتی، اسی طرح اعادۂ روح کے وقت میت کی حیات، زندہ کی حیات کے مغائر ہے اور یہ ایسی حیات ہے کہ اس سے موت کے اطلاق کی نفی نہیں ہوتی بلکہ یہ زندگی، حیات اور

؎۱ "نبراس" ص ۳۲۲ ؎۲ "القسطاس"، حاشیہ نبراس ص ۳۲۲

موت کے درمیان میں ہے - جیسے نیند حیات اور موت کے درمیان ہے -

نیند اور موت

اللہ تعالٰی نے نیند اور موت کو ایک ہی سطح پر ذکر فرمایا ہے اور رسول کریمؐ نے نوم (نیند) کو موت فرمایا ہے، اب نائم پر نیند یعنی موت طاری ہوگئی، گو بظاہر وہ مردہ ہے مگر اس کے ساتھ روح کا تعلق بدستور ہے لہٰذا اسے مردہ کوئی نہیں کہتا، یہ زندہ ہے لیکن یہ حقیقت تو ظاہر ہے کہ نائم (سونے والے) کی زندگی جاگنے والے کی زندگی کے مغائر ہے - نائم و بیدار ہیں دونوں زندہ، لیکن دونوں کی زندگی اور حیات میں فرق ہے - نائم گو زندہ ہے - لیکن بیدار کی طرح زندگی و حیات کے آثار و علامات اس میں موجود نہیں - یہ اٹھ بیٹھ نہیں سکتا چل پھر نہیں سکتا، کھا پی نہیں سکتا - افعالِ اختیاریہ کا صدور اس سے ممکن نہیں، بایں ہمہ اسے مردہ کوئی نہیں کہتا کیونکہ اس کے ساتھ روح کا تعلق ہے - لہٰذا اس پر زندہ کا اطلاق ہوتا ہے -

اسی طرح میّت کے ساتھ جب روح کا تعلق ہوگیا تو اس میں گو حیات تو ہے لیکن ظاہر ہے کہ مردہ کی یہ حیات زندہ کی حیات کے مغائر ہے - اور یہ ایسی حیات ہے کہ اس پر موت کا اطلاق ہوتا ہے - جیسے نائم پر زندہ کا اطلاق ہوتا ہے اور نائم پر باوجود ایک نوعیت کی موت کا طاری ہونے کے اسے مُردہ کوئی نہیں کہتا ہر کوئی زندہ کہتا ہے - اسی طرح مرنے والے پر بھی مردہ ہی کا اطلاق ہوتا ہے اور اس میں ایک نوعیت کی زندگی پیدا ہوجانے کے باوجود اسے زندہ کوئی نہیں کہتا - ہر کوئی میّت ہی کہے گا -

خلاصہ

اکابر علماءِ امت کے ارشادات تفصیل سے پیش کر دیئے گئے ہیں - ان کا خلاصہ یہ ہے کہ قبر میں جس حیات کا اثبات کیا جاتا ہے اس سے بعینہٖ ایسی حیاتِ کاملہ مراد نہیں، جیسی کہ وفات سے پہلے دنیا میں تھی یا پھر قیامت میں حاصل ہوگی - بلکہ ایسی حیات مراد ہے، جس میں صرف ایسا ادراک و شعور پیدا ہوجائے جس سے میّت کو عذاب و راحت اور دکھ سکھ کا احساس ہوسکے، جب میت میں یہ ادراک و احساس پیدا ہوجائے تو وہ ایک گونہ زندہ ہوگا نہ کہ جمادِ محض! لیکن بایں ہمہ اس پر اطلاق میّت ہی کا ہوگا اسے زندہ کوئی نہ کہے گا -

گویا قبر اور برزخ کی حیات مطلق اور کامل حیات نہیں بلکہ فی الجملہ، ایک گونہ اور نوع من الحیوٰۃ ہے، جس میں بدن کو نہ تو خوراک وغیرہ ضروریات کی حاجت ہوتی ہے اور نہ ہی عموماً اس کی حرکات، اور اس پر واردات کا علم و احساس اور مشاہدہ کیا جاسکتا ہے -

حیاتُ النبیؐ جب عامۃ المسلمین بلکہ عامۃ الناس کے لئے فی الجملہ حیات ثابت ہے، مرنے کے بعد ایک نوع کی حیات ہر مرنے والے حتیٰ کہ کافر و مشرک تک کو حاصل ہے تو حیات النبیؐ کا مسئلہ درحقیقت لازمی طور پر حل ہو گیا۔ جب قبر و برزخ میں ایک عام آدمی کو ایک قسم کی زندگی حاصل ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مزار پاک میں حیاتِ مقدسہ کیوں حاصل نہ ہو گی؟ ضرور حاصل ہو گی اور نہایت اعلےٰ و اقویٰ و اولےٰ و اکمل درجہ میں حاصل ہو گی۔

تاہم، ہم مستقل طور پر اصل مسئلہ حیات النبیؐ سے متعلق مفصل و مدلل بحث کریں گے۔ انشاءاللہ تعالےٰ۔



کیا موتیٰ سلام کہنے والے کو پہچانتے ہیں؟ سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں یا نہیں؟

فاضل صاحب "ندائے حق" تحریر فرماتے ہیں:۔

"پھر لطف یہ کہ کہتے ہیں ...... وہ ہمیں دیکھتے پہچانتے ہیں، ہماری باتیں سنتے ہیں، ہماری باتوں کا جواب دیتے ہیں، مطلب یہ ہوا کہ وہ زندہ ہم مردہ"۔ ("ندائے حق" ص ۲۲۰)

فاضل محترم نے تو طعن و استہزاء کا مظاہرہ فرمایا مگر حقیقت میں میت زائر کو پہچانتی ہے۔ اس کا سلام سنتی ہے، سلام کا جواب بھی دیتی ہے۔

۱:۔ حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:۔

اس تودۂ خاک سے ارواح کا ایک تعلق ہوتا ہے اور السلام علیکم یا اھل القبور کہنے سے جواب ملتا ہے ("المصالح العقلیہ" حصہ سوم ص ۳۲۰)

۲:۔ شیخ الاسلام امام العصر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہٗ فرماتے ہیں:۔

مسئلہ سماع موتیٰ

[وَاعْلَمُوْا أَنَّ مَسْئَلَةَ كلام الميت وسماعه واحدةٌ ...... وفي رسالة غير مطبوعة لعلي القاري أَنَّ أَحَدًا مِن أَئِمَّتِنَا لَمْ يَذْهَبْ إِلَى إِنْكَارِهِ هذا......

أَقُولُ وَالأَحَادِيثُ فِي سَمْعِ الأَمْوَاتِ قَدْ بَلَغَتْ مَبْلَغَ التَّوَاتُرِ وَفِي حديث صَحَّحَهُ أَبُو عُمَرَ وَأَنَّ أَحَدًا إِذَا سَلَّمَ عَلَى الْمَيِّتِ فَإِنَّهُ يَرُدُّ عَلَيْهِ وَيَعْرِفُهُ إِنْ كَانَ يَعْرِفُهُ فِي الدنيا (بالمعنى) وَأَخْرَجَهُ ابن كثير أَيْضًا وَتَرَدَّدَ فِيهِ فَالإِنْكَارُ فِي غَيْرِ مَحَلِّهِ

جان لیجئے کہ میت کے کلام اور سماع کا مسئلہ واحد ہے۔ ملا علی قاریؒ کے غیر مطبوعہ رسالہ میں ہے کہ ائمہ احناف میں سے کسی ایک نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔

میں کہتا ہوں سمع اموات کے بارے میں احادیث تواتر کی حد کو پہنچ گئی ہیں اور ایک حدیث میں ہے جسے ابو عمرو (امام ابن عبدالبرؒ) نے صحیح کہا ہے کہ جب کوئی میت پر سلام کہتا ہے تو بے شک وہ اس کا جواب دیتی ہے اور اگر وہ دنیا میں

سیما إذا لم ینقل عن أحدٍ من أئمتنا رحمهم الله تعالیٰ فلا بدّ بالتزام السماع فی الجملة ـ

اسے پہچانتا تھا تو (اب بھی) اسے پہچانتی ہے۔ اسے ابن کثیرؒ نے بھی روایت کیا ہے اور اس میں تردد کا اظہار کیا ہے مگر سماع موتیٰ وغیرہ کا انکار بے محل ہے خصوصاً جبکہ ہمارے ائمہ (احناف) رحمہم اللہ میں سے کسی کا انکار منقول نہیں، پس فی الجملہ سماع موتیٰ لازمی ولابدی ہے۔

شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اصل نفی سماع کو قرار دیا ہے۔ اور جس جس موقع پر سماع ثابت ہے، اسے مستثنیٰ قرار دیا ہے، اور سماع کو اپنے مورد پر محدود رکھا ہے۔

قلتُ إذن ما الفائدة فی عنوان النفی وما الفرق بین نفی السماع ثم الاستثناء فی مواضع کثیرة وادعاء التخصیص وبین إثبات السماع فی الجملة........ هذا السماع الذی نحن نتصدّی إثباته من عالم البرزخ أخبرنا به المخبر الصادق فآمنا به [1]

میں کہتا ہوں اس صورت میں نفی کرنے کا کیا فائدہ؟ اور سماع کی نفی کرکے بہت زیادہ موقعوں کو مستثنیٰ ومخصوص قرار دینے اور فی الجملہ اثباتِ سماع میں کیا فرق ہے؟...... یہ سماع جس کے اثبات کے ہم درپے، عالم برزخ کی بات ہے۔ مخبر صادقؐ نے ہمیں اس کی خبر دی ہے پس ہم اس پر ایمان لائے۔

اللہ اکبر! کیا ایمان ہے، کیا روحانیت ہے۔ بات عالم برزخ کی ہے۔ دید ومشاہدہ سے بعید، مگر مخبر صادق نے خبر دی ہے، صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو ہمارا ایمان ہے۔ اب ہمیں اس میں کوئی شک ہے نہ شبہ!

حجۃ الاسلام قدس سرہٗ نے مسئلہ سماع موتیٰ میں ذرا تفصیل سے بحث کی ہے اور یہاں تک ثابت کیا ہے کہ میت کا دیکھنا، پہچاننا خود حضورؐ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے، باقی رہا ہماری باتیں سننا، سو فرمایا کہ سمع اموات کی احادیث حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ اور ہمارا اس پر ایمان ہے!

گویا جس بات کو صاحب "ندائے حق" "عوام کا خیال" فرما رہے تھے، حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ اسے احادیثِ متواترہ صحیحہ سے ثابت فرما رہے ہیں، یا للعجب!

ع ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

---

[1] "فیض الباری" شرح بخاری جلد ۲ ص ۴۶۴ کتاب الجنائز۔

۲۳۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی شہرۂ آفاق عظیم کتاب "کتاب الروح" کا آغاز ہی اس مسئلہ سے کیا ہے۔ مسئلہ کا عنوان ہے۔ اَلْمَسْئَلَةُ الْاُوْلٰی وَهِیَ هَلْ تَعْرِفُ الْاَمْوَاتُ زِيَارَةَ الْاَحْيَاءِ وَسَلَامَهُمْ اَمْ لَا ؟

یعنی پہلا مسئلہ اور وہ یہ ہے کہ کیا مردے زندوں کے زیارت (کے لئے آنے) اور ان کے سلام کو جانتے ہیں یا نہیں؟ اس میں لکھتے ہیں:۔

وَالسَّلَفُ مُجْمِعُوْنَ عَلٰی هٰذَا وَقَدْ تَوَاتَرَتْ الْاٰثَارُ عَنْهُمْ بِاَنَّ الْمَيِّتَ يَعْرِفُ زِيَارَةَ الْحَيِّ وَيَسْتَبْشِرُ بِهٖ ۔ [1]	سلف صالحین کا اس پر اجماع ہے اور ان سے بتواتر آثار مروی ہیں کہ بیشک میت زندہ زائر کو جانتی ہے اور اس سے خوش ہوتی ہے۔

حضرت امام رحمہ اللہ اس باب میں صحیحین و صحاح وغیرہ کی متعدد احادیث اور کثیر تعداد میں حضرات صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے آثار اور بزرگوں کے واقعات چودہ [14] صفحوں پر نقل کرتے چلے گئے ہیں۔ جن میں سے ہم یہاں صرف ایک حدیث پیش کرتے ہیں صحیح مسلم [2] میں ہے کہ حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) نے بوقت وفات فرمایا:۔

فَاِذَا دَفَنْتُمُوْنِیْ فَسُنُّوْا عَلَیَّ التُّرَابَ سَنًّا ثُمَّ اَقِيْمُوْا حَوْلَ قَبْرِیْ قَدْرَ مَا تُنْحَرُ جَزُوْرٌ وَيُقْسَمُ لَحْمُهَا حَتّٰی اَسْتَاْنِسَ بِكُمْ وَاَنْظُرَ مَاذَا اُرَاجِعُ بِهٖ رُسُلَ رَبِّیْ	جب تم مجھے دفن کر چکو تو میرے اوپر مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا پھر میری قبر کے ارد گرد اتنی دیر ٹھہرے رہنا جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جا سکتا ہے تاکہ میں تم سے مانوس ہو

کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہوئے فرشتوں کو سوچ سمجھ کر صحیح جواب دے سکوں۔

یہ حدیث نقل کر کے امام ابن قیم لکھتے ہیں:۔

فَدَلَّ عَلٰی اَنَّ الْمَيِّتَ يَسْتَاْنِسُ بِالْحَاضِرِيْنَ عِنْدَ قَبْرِهٖ وَيُسَرُّ بِهِمْ [3]	یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ بیشک مردہ اپنی قبر کے نزدیک حاضرین سے مانوس ہوتا ہے اور ان سے خوش ہوتا ہے۔

مرفوع احادیث

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے متعدد احادیث رسول پاک بھی نقل کی ہیں۔ پہلی حدیث ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں:۔

---

[1] "کتاب الروح" ص ۲۸ [2] جلد اول ص ۷۶، "مشکوٰۃ المصابیح" باب دفن المیت [3] "کتاب الروح" ص ۱۰

۱۔ ابن عبد البرؒ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُرُّ عَلٰى قَبْرِ اَخِيْهِ كَانَ يَعْرِفُهٗ فِي الدُّنْيَا فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ رُوْحَهٗ حَتّٰى يَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ ۔

جب بھی کوئی مسلمان اپنے بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے، جسے وہ دنیا میں پہچانتا تھا، اور وہ اس پر سلام کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس (صاحبِ قبر) پر اس کی روح کو لوٹا دیتا ہے پس وہ اس (سلام کہنے والے) کے سلام کا جواب دیتا ہے ۔

یہ حدیث نقل کرکے امامؒ لکھتے ہیں :۔

فَهٰذَا نَصٌّ فِيْ اَنَّهٗ يَعْرِفُهٗ بِعَيْنِهٖ وَيَرُدُّ عَلَيْهِ السَّلَامَ [1]

یہ حدیث اس بات میں نص ہے کہ مردہ سلام کہنے والے کو بعینہٖ پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے ۔

بلکہ حضرت امام رحمہ اللہ اس صحیح روایت[2] کی بنا پر اپنے مشہور "قصیدہ نونیہ" میں لکھتے ہیں :۔

۱۔ وَهٰذَا وَرَدَّ نَبِيِّنَا تَسْلِيْمَ مَنْ يَأْتِيْ بِتَسْلِيْمٍ مَعَ الْاِحْسَانِ

یہ صحیح ہے کہ ہمارے نبیؐ اس شخص کے سلام کا عمدہ جواب دیتے ہیں جو آپؐ کو سلام کہتا ہے ۔

۲۔ مَا ذَاكَ مُخْتَصًّا بِهٖ اَيْضًا كَمَا قَدْ قَالَهُ الْمَبْعُوْثُ بِالْقُرْاٰنِ

یہ آپؐ کی ذات پاک کے ساتھ مخصوص نہیں، جیسا کہ خود صاحبِ قرآن نے فرمایا :۔

۳۔ مَنْ زَارَ قَبْرَ اَخٍ لَهٗ فَاَتٰى بِتَسْلِيْمٍ عَلَيْهِ وَهُوَ ذُوْ اِيْمَانٍ

جس شخص نے اپنے مومن بھائی کی قبر کی زیارت کی اور اسے سلام کہا

۴۔ رَدَّ الْاِلٰهُ عَلَيْهِ حَقًّا رُوْحَهٗ حَتّٰى يَرُدَّ عَلَيْهِ رَدَّ بَيَانٍ [3]

تو معبودِ برحق بالیقین اس پر اس کی روح کو لوٹا دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ واضح طور پر اس کو جواب دیتا ہے ۔

اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں :۔

۲۔ ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب "کتاب القبور" کے باب "معرفۃ الموتٰی بزیارۃ الاحیاء"

---

[1] "کتاب الروح" ص ۴ [2] یہ روایت "جامع صغیر" جلد ۲ ص ۱۵۱ پر بھی ہے ۔ اس روایت کو امام ابن عبد البر "... الحق اشبیلی"، ابن عبد الہادی، قاضی شوکانی اور شیخ الاسلام، مولانا شبیر احمد عثمانی (رحمہم اللہ) وغیرہ سب صحیح کہتے ہیں ۔ "تسکین الصدور" ص ۲۱۰ [3] "قصیدہ نونیہ" ص ۱۴۵ ("تسکین الصدور" ص ۲۱۱)

میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سند کے ساتھ روایت کیا ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَا مِنْ رَجُلٍ يَزُوْرُ قَبْرَ اَخِيْهِ وَيَجْلِسُ عِنْدَهٗ اِلَّا اسْتَأْنَسَ بِهٖ حَتّٰى يَقُوْمَ ؎۱	جو شخص بھی اپنے مسلمان بھائی کی قبر کی زیارت کرتا ہے اور وہاں بیٹھتا ہے تو صاحب قبر اس سے

مانوس ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اٹھ کھڑا ہو،

۴۲:۔ بروایت حضرت ابوہریرہؓ فرمایا:۔ صلی اللہ علیہ وسلّم

اِذَا مَرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ اَخِيْهِ يَعْرِفُهٗ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ وَعَرَفَهٗ وَاِذَا مَرَّ بِقَبْرٍ لَا يَعْرِفُهٗ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ ؎۲	جب کوئی شخص اپنے بھائی کی قبر کے قریب سے گزرتا ہے۔ جسے وہ جانتا ہے اور اس پر سلام کہتا ہے تو وہ بھی اسے پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اگر یہ قبر والے کو

نہیں جانتا تو وہ بھی صرف سلام کا جواب دیتا ہے۔

۴۳:۔ حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہؓ سے اور طبرانی نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، کہ:۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم احد سے واپسی کے وقت حضرت مصعب بن عمیرؓ کی قبر پر ٹھہرے اور (صحابہ کرامؓ سے) فرمایا:۔

فَزُوْرُوْهُمْ وَسَلِّمُوْا عَلَيْهِمْ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ اَحَدٌ اِلَّا رَدُّوْا عَلَيْهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؎۳	پس تم ان (کی قبروں) کی زیارت کرو، اور ان پر سلام کہو، اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ جو کوئی بھی ان پر

سلام کہتا ہے یہ قیامت تک اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور آپؐ قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ قیامت تک اہلِ قبور سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیتے رہیں گے۔

؎۱ یہ روایت ابن ابی الدنیا کے علاوہ بیہقی شعب الایمان میں بھی ہے "شرح الصدور" ص ۸۴)

؎۲ "کتاب الروح" ص ۵ ؎۳ "شرح الصدور" ص ۸۴، ۸۵، ۸۷ تین مقامات پر تین

روایات ...

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ۔ محدث شہیر قاضئ مدینہ حضرت علامہ سمہودیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ)
مندرجہ بالا احادیثِ پاک میں سے اکثر احادیث نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں :۔

وَالْآثَارُ فِي هٰذَا الْمَعْنٰى كَثِيْرَةٌ وَقَدْ ذَكَرَ ابْنُ تَيْمِيَه فِي "اِقْتِضَاءِ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ" كَمَا نَقَلَهُ ابْنُ عَبْدِ الْهَادِيْ اِنَّ الشُّهَدَاءَ بَلْ كُلَّ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا زَارَهُمُ الْمُسْلِمُ وَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ عَرَفُوْا بِهٖ وَرَدُّوْا عَلَيْهِ السَّلَامَ فَاِذَا كَانَ هٰذَا فِي آحَادِ الْمُؤْمِنِيْنَ فَكَيْفَ بِسَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [1]

اس بارے میں روایات بہت زیادہ ہیں اور امام ابن تیمیہؒ نے "اقتضاء الصراط المستقیم" میں لکھا ہے جیسا کہ ابن عبدالہادی نے نقل کیا ہے کہ بیشک شہداء بلکہ سب مومنین جب کوئی مسلمان (ان کی قبر) کی زیارت کرتا ہے اور ان پر سلام کہتا ہے تو وہ موتی اسے پہچانتے ہیں اور اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں، جب یہ عام مسلمانوں کے بارے میں ہے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیسے سلام کا جواب نہ عطا فرماتے ہوں گے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ، امام ابن قیمؒ، حجۃ الاسلام علامہ سید انور شاہ، حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور مفتئ مدینہ حضرت علامہ سمہودیؒ رحمہم اللہ ایسے اعاظم رجال امت کے نزدیک موتی قبروں کی زیارت کرنے والوں کو پہچانتے ہیں، ان کا سلام سن کر جواب دیتے ہیں اور یہ سب کچھ امام المرسلینؐ کی احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔ پھر کسی مسلمان کو اس میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟

سماعِ موتیٰ

مگر آج بعض لوگ یہاں تک کہنے لگے ہیں کہ عدم سماعِ موتیٰ میں کوئی اختلاف ہی نہیں۔ سماعِ موتیٰ کا مسئلہ شرک کی بنیاد ہے۔ اس کا قائل مشرک ہے۔ صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک علمی دنیا میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ وغیرہ وغیرہ

مکابرہ اور ڈھٹائی کی حد ہو گئی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے۔ جیسا کہ حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں بیان فرماتے ہیں :۔

ا :۔ سماعِ موتیٰ کا مسئلہ زمانِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آ رہا ہے یہ مسئلہ اعتقادات ضروریہ میں سے نہیں، جن کی نفی یا اثبات پر کفر و اسلام کا مدار ہے بلکہ یہ ایک علمی و تحقیقی بحث ہے؛ جس میں بحث و تمحیص اور نظر و تحقیق کی گنجائش ہے۔ امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے

---

[1] "وفاء الوفاء" مطبوعہ مصر جلد دوم ص ۵۔ ۱۳ باب ۸ فصل ۲؛

علماء کے درمیان اس مسئلہ میں ہمیشہ دو رائیں رہی ہیں۔ علماء کرام کی ان دونوں جماعتوں کے پاس دلائل ہیں، جو علماء سماعِ موتٰی کی نفی کرتے ہیں ان کا استدلال ظواہر قرآن اور احادیث صحیحہ سے ہے، جبکہ قائلین سماع بھی صریح صحیح حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں"۔ لہ

کس درجہ عادلانہ اور مبنی علی الحقیقت بیان ہے حضرت شیخ القرآن کا! مگر آپ سے تلمذ کا دعویٰ کرنے والے یہ کہتے نہیں تھکتے، کہ سماعِ موتٰی شرک کی بنیاد ہے اور امت میں آج تک اس کا کوئی قائل نہیں ہوا۔

۲ ۔ حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم صاحب بانیٔ دارالعلوم دیوبند نور اللہ مرقدہٗ بیان فرماتے ہیں:۔

۔ سماعِ اموات کے قصہ میں اول تو یہ معروض ہے کہ یہ امر قدیم سے مختلف فیہ ہے، دوسرے ضروریاتِ دینی اور عقائد ضروریہ میں سے نہیں، علاوہ بریں طرفین میں بڑے بڑے اکابر ہیں۔۔۔۔۔ اس لئے اہل اسلام کو ضروری ہے کہ ایسے مسائل میں خواہ مخواہ ایسے پکے نہ ہو بیٹھیں کہ دوسری طرف کو بالکل باطل سمجھ لیں۔ (" جمالِ قاسمی" ص ۸) اللہ کی کروڑوں رحمتیں ہوں ان کے مزار مقدس پر!

ہمارے اکابر کس درجہ توسط و اعتدال کی راہ پر گامزن تھے۔ تشدد و تعصب کا نام و نشان تک نہیں۔ یہ ہیں دارالعلوم دیوبند کے بانی و مؤسس! مگر آج لوگ کہتے ہیں کہ سماعِ موتٰی میں کوئی اختلاف ہی نہیں۔ یہ شرک کی بنیاد ہے امت میں سے کوئی بزرگ بھی اس کا قائل نہیں۔ جو اس کا قائل ہے وہ مشرک ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی یہ کہے کہ نبی کریم قبر انور پر ہمارے صلوٰۃ و سلام کو سنتے ہیں تو وہ بھی مشرک ہے اور پھر بایں ہمہ " دیوبندیت" کے واحد اجارہ دار بھی بنے پھرتے ہیں۔

اعدل الاقوال

اس باب میں اعدل و اسلم و اصح و مختار قول درج ذیل ہے۔

۱ ۔ حضرت مفتیٔ اعظم مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ:۔

اعدل الاقوال اور اصح و مختار یہ ہے کہ جن جن مواضع میں میت کا کلام و غیرہ سننا منصوص ہے، وہاں تو بلا تامل یقین کیا جائے (" امداد المفتیین" فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۱۹۲) لہ

لہ "جواہر القرآن" از حضرت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان تفسیر سورۂ روم

لہ " اتمام البرہان" ص ۹۱

۴۲۔ خاتم المفسرین علامہ آلوسی رحمہ اللہ :۔
جن چیزوں کا سننا حدیث سے ثابت ہے۔ انہی پر اقتصار کیا جائے مثلاً سلام وغیرہ میرے نزدیک یہی راجح ہے [1]۔

۴۳۔ خاتم المحققین حضرت علامہ عثمانی رحمہ اللہ :۔
جہاں جہاں حدیث سے سماع ثابت ہے، اس کو انہی مواقع پر بند رکھنا اور ان سے تجاوز نہ کرنا واجب ہے [2]۔

قبر میں سماع سلام میت کا کام ہے یا روح کا؟

اب سوال یہ ہے کہ زائر کا سلام سننا اور جواب دینا میت کا کام ہے یا روح کا؟

جناب سید سجاد صاحب اور ان کا شر ذمۂ قلیلہ تو کہتا ہے کہ یہ کام روح کا ہے۔ اور تو اور حضرات انبیاء علیہ السلام کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

ارواح انبیاء علیہم السلام کا ان کے بدنوں کے ساتھ جو تعلق ہے ..... یہ ان کے بدنوں میں صفتِ حیات پیدا کرنے کے لئے نہیں تاکہ ان کے بدن زندہ ہو کر قبروں میں زائرین کا سلام بگوشِ سر سنیں بلکہ یہ تعلق محض اتصال اور قرب کا ہے تاکہ ان کی روحیں زائرین کا سلام سنیں۔
("اقامۃ البرہان" ص ۱۹۰، ۱۹۱)

یہ تو ارشاد ہوا جمیع حضرات انبیاء علیہم السلام کے متعلق اب خاص حضورؐ کے متعلق فرماتے ہیں :۔

جب کوئی زائر آپؐ کی قبر مبارک پر سلام کہتا ہے تو روح اپنی شان انبساط سے بدنِ مقبور سے منفصل ہو کر زائر کا سلام سنتی ہے اور اس کا جواب دیتی ہے۔ ("اقامۃ البرہان" ص ۱۹۰)

خلاصہ یہ کہ دوسرا کوئی جسم تو کیا سنے گا، خود امام الانبیاء حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی وجود اقدس واطہر سلام سنتا ہے نہ جواب دیتا ہے۔ بلکہ یہ کام حضورؐ کی روح پاک کرتی ہے۔

بخلاف اس کے ائمہ اعلام دین اور اکابر علماء دعمائد امت کا مسلک و مذہب واضح ہو چکا ہے کہ امام المرسلین تو امام المرسلین، حضرات انبیاء علیہم السلام تو انبیاء علیہم السلام، عام مردے بھی

---

[1] "روح المعانی" جلد ۲۱ ص ۵۸ ("اقامۃ البرہان" ص ۹۷) [2] "فتح الملہم" جلد ۲ ص ۹۷ ("اقامۃ البرہان" ص ۹۰)

سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ مثلاً:۔

۱:۔ شیخ الاسلام امام العصر حضرت علامہ انور شاہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

والاحادیث فی سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر

۲:۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق کتاب "کتاب الروح" کے اولین مسئلہ کے عنوان میں لکھتے ہیں:۔

اَلْمَسْئَلَۃُ الْاُوْلیٰ وَھِیَ ھل تعرف الاموات زیارۃ الاحیاء وسلامھم ام لا؟

پھر لکھتے ہیں:۔ والسَّلَفُ مجمعُوْنَ علیٰ ھٰذا وقد تواترت الآثارُ عنھم بانّ المیّت یعرفُ زیارۃ الحیّ ویستبشر بہٖ۔

پھر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ والی حدیث صحیح مسلم سے نقل کر کے لکھتے ہیں فَدَلَّ علیٰ اَنّ المیّت یَسْتَانِسُ بالحاضِرِیْن عند قبرہٖ وَیَسُرُّ بِھِمْ۔

۳:۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ رقم فرماتے ہیں:۔

اعدل الاقوال اور واضح ومختار یہ ہے کہ جن جن مواضع میں میّت کا کلام وغیرہ سننا منصوص ہے وہاں بلا تامل یقین کیا جائے۔

ہم نے انہی حضرات کے اقوال نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے جن کے ارشادات اسی بحث میں گزشتہ صفحات کے اندر پیش کئے جا چکے ہیں ورنہ بے شمار اکابر علماء امت کے بیانات میں میّت اور موتیٰ کے الفاظ مل سکتے ہیں، جن کا احاطہ ممکن ہی نہیں۔

یہ تمام اکابر بھی فرماتے ہیں کہ موتیٰ سنتے ہیں، موتیٰ جواب دیتے ہیں۔ بلکہ مسئلہ کا عنوان ہی سمع موتیٰ مشہور ہے۔ تو میّت اور موتیٰ کا معنیٰ روح کب سے اور کیسے ہوگیا؟ عنوان تو ہے سمع موتیٰ! اور احادیث متواترہ دلالت کرتی ہیں سمع الاموات پر۔ اور کہا یہ جاتا ہے گوشِ سر نہیں سنتا بلکہ روح سنتی ہے۔ کیا روح کو میت یا موتیٰ یا اموات کہا جا رہا ہے؟ یہ روح کب سے مردہ ہوگئی ہے؟ اب تک تو سب یہی کہتے تھے کہ بدن مرتا ہے روح زندہ رہتی ہے اگر موت بدن کے لئے ہے تو سماع و عدم سماع کی بحث بھی بدن کے لئے ہے اور سماع سلام وجواب بھی بدن ہی کا کام ہے۔ جو اللہ قادر مطلق اس بدنِ مقبور میں دُکھ سکھ کے احساس و ادراک کے لئے ایک گونہ زندگی پیدا کر دیتا ہے وہ قادر مطلق اس بدن مقبور میں سماع و جواب سلام کے لئے بھی فی الجملہ حیات پیدا کر سکتا ہے۔

اگر روح سنتی ہے تو بھی۔۔۔۔۔ اب فرض کرو کہ بدن نہیں سنتا بلکہ مردے کی روح سنتی ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ روح کا مستقر و مقام کہاں ہے؟ کیا روح قبر میں محبوس و مقید پڑی ہے؟ یہ تو کسی کا بھی قول نہیں، روح کا مقام تو بالاتفاق علیین ہے یا سجین، پھر قبر میں روح کس طرح سن رہی ہے؟ اب لامحالہ یہ کہا جائے گا کہ روح کا مقام و مستقر تو علیین یا سجین ہے، لیکن اس کا تعلق بدنِ مقبور سے ہے۔ (جس کی کنہ و کیفیت خدا جانتا ہے باقی تعلق ہے ضرور) جس کی وجہ سے قبر پر سلام کہنے والے کا سلام روح سنتی ہے۔

اگر اس سماعِ سلام و کلام میں میت کا قطعاً دخل نہیں اور یہ کام فقط روح کا ہے تو روح کو سنانے کے لئے زائر کے قبر پر آنے کی کیا تخصیص و ضرورت ہے؟ گھر بیٹھے ہوئے سلام کہہ دو، علیین یا سجین میں روح سن لے گی۔ لیکن یہ کوئی بھی نہیں کہتا، روح کے سماع کے مدعی بھی قبر کی قید لگاتے ہیں کہ قبر پر اگر کوئی اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ کہے گا تو روح سنے گی، اور خود حدیثِ پاک میں بھی اَھْلَ الْقُبُوْرِ اور اَھْلَ الدِّیَارِ کے الفاظ موجود ہیں۔

حتیٰ کہ خود رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سماعِ سلام و جوابِ سلام کے لئے مزارِ پرانوار پر آ کر اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کہنا شرط ہے اگر کوئی دور کہیں سے سلام کہے، اور یہ یقین رکھے کہ نبی کریم سن رہے ہیں تو یہ شرک ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ روح کے سماع و جوابِ سلام کے لئے قبر کی قید کیوں ہے۔ جبکہ قبر جسدِ مدفون و بدنِ مقبور کا موضع و محل ہے نہ کہ روح کا مقام و مستقر!

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ قبر کی قید و تخصیص میں نفسِ قبر، قبر کی مٹی کا کوئی دخل نہیں، اگر کچھ عمل دخل ہے تو مدفون و مقبور جسم اور بدن کا ہے نہ کہ تودۂ خاک کا!

خلاصہ یہ کہ زائر کا سلام و کلام اگر روح بھی سنتی ہے تو بھی مطلق روح اسے نہیں سنتی بلکہ میت کے جسم سے متعلق اور مردہ کے بدن سے مقید ہو کر سنتی ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ نہ مطلق مردہ جسم سنتا ہے نہ مطلق مردہ کی روح سنتی ہے جسم اور روح دونوں مل کر سنتے ہیں۔ ایک دوسرے سے متعلق ہو کر سنتے ہیں۔ اور یہی ہم کہتے ہیں کہ سماع و کلام وغیرہ روح اور بدن دونوں کا کام ہے۔ پھر چونکہ موقع محل (قبر) میں بدن موجود ہے لہٰذا اس کی رعایت سے یہ کہا جاتا ہے کہ میت سنتی ہے، مردہ سنتا ہے یعنی میت کے ساتھ روح کا تعلق قائم ہوا بھی

میّت نے سنا، فہو المراد۔

چونکہ موقع محل پر میّت موجود ہے۔ اور روح کا بہت دور عالمِ ملکوت سے صرف تعلّق اس کے ساتھ قائم ہے۔ اس لئے احادیث و روایات میں بھی اور عرفِ عام میں بھی میّت کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہا جاتا کہ علیّین یا سجّین والی روح سنتی ہے بلکہ کہا جاتا ہے کہ اہلِ قبور مردے سنتے ہیں۔

سنتے نہیں سنائے جاتے ہیں! یہ جو بظاہر بعید نظر آرہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ مردہ کیا سنے گا؟ سو عرض یہ ہے کہ مردے سنتے نہیں سنائے جاتے ہیں۔ ویسے تو زندہ بھی نہیں سنتے، حویلی اور مکان کے اندر بیٹھا ہوا زندہ نہیں سن سکتا تو قبر اور لحد میں لیٹا ہوا مردہ کیا سنے گا؟ ساری بات خود سننے کی نہیں، اللہ تعالےٰ کے سنوا دینے کی ہے۔ چند فٹ کے فاصلے پر بیٹھا ہوا آدمی بات نہیں سن سکتا۔ اللہ چاہے تو سینکڑوں میل دور حضرت عمرؓ کی آواز الجبل الجبل حضرت ساریہؓ کو سنا دیتا ہے۔ یہی بات یہاں بھی ہے۔ یہی شخص جب تک زندہ تھا اللہ تعالےٰ نے اس کی قوتِ سماع سلب کرلی تھی۔ بہرہ تھا نہیں سن سکتا تھا یا نیند میں بھی نہیں سن سکتا تھا۔ پسِ دیوار، یا درونِ خانہ بھی نہیں سن سکتا تھا۔ اب مرگیا ہے۔ منوں مٹی کے نیچے دبا پڑا ہے۔ نہ کوئی دریچہ نہ کوئی سوراخ! مگر اللہ چاہے تو سنا سکتا ہے اور اس طرح مردہ سن سکتا ہے اور جواب دے سکتا ہے۔

زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ جان نکل گئی، اب تو یہ جامد ہے۔ پتھر ہے، پتھر کیا سنے گا؟

لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ پتھروں، پہاڑوں اور جمادات میں بھی تو ادراک و شعور ہے۔ کیا پہاڑوں کا حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اللہ تبارک وتعالےٰ کی تسبیح کرنا خود قرآن سے ثابت نہیں؟ [1]

بعض پتھروں کا خوفِ خدا سے گرنا اور لڑھکنا بھی کلامِ الٰہی قرآنِ کریم سے ثابت ہے [2]

---

[1] قولہ تعالےٰ:۔ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ (پارہ ۲۲۔سبا) قولہ تعالےٰ:۔ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ۝ (پارہ ۲۳ سورہ ص) [2] وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ط (پارہ اوّل، بقرہ)

امام ابن قیم رحمہ اللہ اس قسم کی متعدد آیات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

وَقَدْ اَخْبَرَ تعالیٰ عَنِ الحِجَارَۃِ اَنَّ بَعْضَھَا یَنْزِلُ عَنْ مَکَانِہٖ وَیَسْقُطُ مِنْ خَشْیَتِہٖ.....

اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ بعض پتھر اپنی جگہ سے نیچے آجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔

وَقَدْ کَانَ الصَّحَابَۃُ یَسْمَعُوْنَ تَسْبِیْحَ الطَّعَامِ وَھُوَ یُوْکَلُ وَسَمِعُوْا حَنِیْنَ الْجِذْعِ الْیَابِسِ[۱] فِی الْمَسْجِدِ فَاِذَا کَانَتْ ھٰذِہِ الْاَجْسَامُ فِیْھَا الْاِحْسَاسُ وَالشُّعُوْرُ فَالْاَجْسَامُ الَّتِیْ کَانَتْ فِیْھَا الرُّوْحُ وَالْحَیَاتُ اَوْلٰی بِذَالِکَ[۲]

اور بیشک صحابہ کرامؓ کھانے وقت طعام کی تسبیح سنتے تھے۔ اور انہوں نے مسجد نبوی میں کھجور کے سوکھے تنے[۱] سے رونے کی آواز سنی، جب اس قسم کے (جامد اور خشک) اجسام میں احساس وشعور ہے۔ تو ان اجسام میں جن میں کبھی روح اور زندگی موجود رہی ہے۔ بدرجۂ اولیٰ احساس وشعور ہوگا (اور وہ بات سن سکیں گے اور جواب دے سکیں گے)

تو بات ساری اللہ تعالیٰ کے دکھلانے اور سنوانے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسجد نبوی میں منبر پر ملک عراق میں سینکڑوں میل دور مقام نہاوند حضرت ساریہؓ کا محاذِ جنگ دکھا دیا اور نہ دکھلایا تو اسی مسجد میں، مسجد کے اندر موجود ابولولو مجوسی لعین قاتل نہ دکھلایا۔ چاہا تو حضرت یعقوب کو مصر سے اپنے محبوب فرزند حضرت یوسف علیہ السلام کے وجود کی خوشبو پہنچا دی اور نہ دی تو کینعی کے پاس اندھے کنوئیں کے اندر ان کے موجود ومطروح ہونے کی اطلاع نہ دی۔ علیہما وعلیہم السلام،

اللہ تعالیٰ چاہے تو پتھروں، پہاڑوں سے بلوائے اور کھجور کے خشک تنے کو رلائے یعنی ان میں قوتِ احساس پیدا فرما دے اور چاہے تو اپنے محبوب ومعصوم پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام کو عصا کے دیمک خوردہ ہونے کے بعد زمین پر گرا دے اور موت کے صرف ایک سال بعد اپنے آپ کو سنبھالنے کی قوت بھی نہ دے حالانکہ وجود پاک بالکل صحیح وسالم اور ترو تازہ ہے اور چاہے تو کروڑوں سال کے مردوں کو جن کے جسم کا گوشت پوست تو کیا، ہڈی پسلی بھی سلامت نہیں رہی، قبر پر سلام کرنے والے کا سلام سننے اور جواب دینے کی طاقت دے دے۔

---

[۱] صحیح بخاری باب الخطبہ علی المنبر [۲] کتاب الروح، ص ۸۹

تو ساری بات اللہ رب العزت کے سنوانے کی ہے۔ اسی لئے تو قرآن میں حضورؐ سے فرمایا گیا اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی، مردہ خود نہیں سن سکتا۔ اس میں سننے کی صلاحیت ہی نہیں رہی۔ اللہ کے محبوب و معصوم رسول سید الرسل علیہ السلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ اور کوئی کیا سنا سکے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ خدائے قدیر چاہیں تو ہڈیوں کے چورہ اور مردہ کے منتشر و متفرق اور پراگندہ محترقہ اور ناکولہ اجزاء کو سنا سکتے ہیں وہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ہیں۔ ان کے لئے کوئی امر ناممکن اور ممتنع کیا؟ مشکل بھی تو نہیں!

بیشک و شبہ بالتحقیق اللہ تبارک و تعالیٰ سنا دیتے ہیں، ارشاد فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَاءُ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ (پارہ ۲۲۔ فاطرع ۳)	بیشک اللہ سنا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور تو ان کو سنانے والا نہیں جو قبروں میں ہیں۔

تو اہلِ قبور جس کسی کی آوازِ سلام سنتے ہیں وہ صاحبِ سلام کی طاقت نہیں کہ سنا سکیں نہ اہلِ قبور کی طاقت ہے کہ سن سکیں۔ سنانے والے خود اللہ رب العزت ہیں۔

سماعِ موتیٰ عادت ہے یا کرامت؟

جن مواضع میں سماعِ موتیٰ ثابت ہے سوال یہ ہے کہ یہ بطور عادت ہے یا خرقِ عادت؟ حقیقت یہ ہے کہ نفسِ سماعِ موتیٰ تو خرقِ عادت ہے۔ کیونکہ مردے میں بظاہر حیات معدوم ہے۔ دوسرے قبر میں بقائے حیات فہم و عقل سے بالاتر ہے تیسرے یہ مشاہدے کے خلاف ہے چوتھے حجاباتِ کثیفہ کثیرہ کے باوجود باہر کی آواز کا مردے تک پہنچنا متعذر ہے۔ تو سماعِ موتیٰ اصلاً تو خرقِ عادت ہے مگر ان مواضع مخصوصہ میں اللہ رب العزت نے اسے عادت و معمول بنا دیا ہے۔ اب یہ عادت ہے کرامت نہیں، یعنی یہ نہیں کہ مردہ، ولی کا کلام و سلام تو سنے اور عام آدمیوں کا نہیں، یا مردہ ولی تو زائر کا سلام سنے اور غیر ولی نہ سنے۔ بلکہ حسبِ ارشادِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان موقعوں پر سماعِ سلام عام ہے۔

اس حقیقت کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جن مواضع میں سماع ثابت ہے۔ اگر یہ بطور عادت نہیں تو ان مواضع کی تخصیص کا کیا فائدہ؟ کیونکہ بطور کرامت تو اللہ تعالیٰ ان مواضع کے علاوہ بھی سنوانے پر قادر ہیں۔ ان مواضع کی تخصیص کی وجہ یہی ہے کہ ان مواضع میں سماع کو عام بنا دیا گیا ہے۔ اور دوسرے موقعوں

پر عام نہیں۔ ورنہ قدرتِ باری تعالیٰ کے لحاظ سے تو دونوں قسمیں برابر ہیں۔ مخصوص مواقع پر عادی سماع بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہے اور دوسرے مواقع پر سماع کرامت بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہے۔

قدرت الٰہی کے سامنے ہر ناشدنی، شدنی اور ہر ناممکن، ممکن ہے

استبعاد اور ناممکن کی بحث ہماری محدود طاقت کے اعتبار سے ہے۔ اللہ رب العزت کی لامحدود قدرت کے لحاظ سے ہر ناشدنی، شدنی اور ہر ناممکن، ممکن ہے۔ سمندر میں راستے بن جانا، آگ کا ٹھنڈا پڑ جانا، عصا کا اژدہا بن جانا، پتھر سے چشمے پھوٹ پڑنا، چاند کا شق ہو جانا۔ مٹھی بھر مٹی پورے لشکر کی آنکھوں میں پڑ جانا، مدینہ طیبہ سے حضرت عمرؓ کی آواز کا کئی سو میل دور نہاوند کے محاذ پر پہنچ جانا وغیرہ امور ہماری طاقت سے خارج ہیں لیکن قدرتِ خداوندی کے سامنے عین ممکن اور واقع ہیں۔ اسی طرح سمع موتیٰ کو سمجھئے یہ بھی فی حد ذاتہٖ اس عالم کے ضوابط اور عادت کے خلاف ہے۔ لیکن حق تعالیٰ جلّ شانہٗ نے عالمِ برزخ کے لحاظ سے اسے عادت اور واقعہ بنا دیا ہے۔ اللہ کے رسول الصادق والمصدوق نے ہمیں اس کی خبر دی ہے اور ہم بصمیم قلب اس پر ایمان لائے ہیں۔ صلّی اللہ علیہ وسلّم۔

کیا موتیٰ نماز پڑھتے اور قرآن کی تلاوت کرتے ہیں؟

فاضل صاحب "ندائے حق" تو تحریر فرماتے ہیں:۔

"ظاہر بین علماء و عوام کا خیال ہے کہ اسی گڑھے میں ...... یہی دھڑا اٹھتا بیٹھتا کھاتا پیتا نماز پڑھتا ہے۔" ("ندائے حق" ص ۲۲۰)

مگر اس طعن و تعریض کے علی الرغم اجلّہ ائمہ دین، حضرات تابعین، بلکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے اسی قبر کے اندر اسی جسدِ عنصری کے نماز پڑھنے اور قرآن کی تلاوت کرنے کا ثبوت موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

حضرت ثابت بنانیؒ کا قبر میں نماز پڑھنا!

حضرات انبیاء علیہم السلام کی تو شان ہی نرالی اور عظیم و رفیع ہے حقیقت یہ ہے کہ غیر انبیاءؑ کا بھی قبر میں نماز اور قرآن پڑھنا ثابت ہے۔ چنانچہ جلیل القدر تابعی حضرت ثابت البنانیؒ کا قبر میں نماز پڑھنا مشہور و معروف واقعہ ہے۔

حضرت ثابت بنانیؒ سادات تابعین میں سے تھے حضرت انسؓ بن مالک کے خاص اصحاب میں تھے، ان کا فرمان ہے، ہر شئے کی ایک کنجی ہوتی ہے ثابت خیر کی کنجی ہیں، دنیا کے سب سے بڑے عابد مشہور تھے، صائم الدہر تھے۔ دن رات میں پورا قرآن ختم کرتے تھے ۱۲۳ھ میں وفات پائی (تابعین، مطبوعہ اعظم گڑھ ص ۶۳) ان سے متعلق روایت ملاحظہ ہو۔

۱۔ عَنْ ثابت البنانیؒ قَالَ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ اَعْطَیْتَ اَحَدًا اَلصَّلٰوۃَ فِیْ قَبْرِہٖ فَاَعْطِنِیْ الصَّلٰوۃَ فِیْ قَبْرِیْ [۱]	حضرت ثابت بنانیؒ سے روایت ہے انہوں نے دعا کی۔ الٰہی! اگر تو نے کسی کو اس کی قبر میں نماز پڑھنے کا شرف عطا فرمایا تو مجھے بھی قبر میں نماز (کا شرف) عطا فرما!

ابو نعیم کی روایت ہے جبیر نے کہا ہے واللہ الذی لا الٰہ الا ھو میں حمید الطویل کے ساتھ ثابت بنانیؒ کی قبر میں تھا یصلی فی قبرہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہا تھا۔ وہ اللہ سے یہ دعا کیا کرتا تھا اللہ نے اس کی دعا قبول کر لی [۲]

ابن جریر نے تہذیب الآثار میں اور ابو نعیم نے ابراہیم بن الصمۃ المہلبی سے روایت کی ہے کہ حضرت ثابت البنانیؒ کی قبر کے پاس سے گزرنے والے کہتے ہیں کہ ہم نے (قبر سے) قرأۃ القرآن کی آواز سنی ہے [۳]

۲۔ ابن مندہ [۴] نے بسند روایت کی ہے کہ ابو حماد الحفار جو ثقہ اور متقی تھے نے کہا کہ میں نے ایک قبر سے جمعہ کے دن دوپہر کے وقت قرآن کی قرأت سنی [۵]

قبر میں سورۂ ملک کی تلاوت

ترمذی، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] طبقات ابن سعد، مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الزہد امام احمدؒ و ابو نعیمؒ شرح الصدور علامہ سیوطیؒ مطبوعہ مصر ص ۸۷

[۲] ایضاً ص ۸۶ [۳] ایضاً ص ۸۷ [۴] الامام الحافظ محدث العصر ابو عبداللہ محمد بن ابی یعقوب ابن مندہ متوفی ۳۹۵ھ

[۵] "شرح الصدور" ص ۸۷

نے لاعلمی میں ایک قبر پر خیمہ گاڑا۔

و إذا فيه انسان يقرأ سورة الملك حتى ختمها	اس قبر میں ایک انسان سورۂ ملک پڑھ رہا تھا۔

حتیٰ کہ اس نے سورۃ ختم کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی خبر دی گئی تو فرمایا:۔

هِيَ الْمُنْجِيَةُ هِيَ الْمَانِعَةُ تُنْجِيهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔	یہ سورۃ نجات دینے والی ہے۔ روکنے والی ہے۔ اسے عذابِ قبر سے نجات دے گی۔

ا۔ ابو القاسم السعدی نے کتاب الروح میں لکھا کہ:۔

هٰذَا تَصْدِيقٌ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَنَّ الْمَيِّتَ يقرأ فِي قبره فَإِنَّ عبد الله أَخْبَرَهُ بِذٰلِكَ وَصَدَّقَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس بات کی تصدیق ہے کہ میت اپنی قبر میں قرأت کرتی ہے عبد اللہؓ نے آپؐ کو اس کی خبر دی اور آپؐ نے اس کی تصدیق فرمائی۔

ب:۔ امام کمال الدین بن الزملکانی اپنی کتاب "العمل المقبول فی زیارۃ الرسولؐ" میں لکھتے ہیں:۔

هذا الحديث واضح الدلالة على ان الميت كان يقرأ في قبره سورة الملك	یہ حدیث اس بات پر واضح دلالت کرتی ہے کہ میت اپنی قبر میں سورۃ ملک پڑھتی تھی۔

اس روایت میں بعض اولیاء اللہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اکرام کا ثبوت ہے اور بعض اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرتے تھے تو بعض کے ساتھ قبر میں نماز کے ساتھ اللہ کے اکرام کا ثبوت ہے۔

فَإِذَا كَانَ مِنْ كَرَامَةِ اللّٰهِ لِأَوْلِيَائِهِ تَمْكِينُهُمْ مِنَ الطَّاعَةِ وَالْعِبَادَةِ فِي الْقَبْرِ فَالْأَنْبِيَاءُ بِطَرِيقِ الْأَوْلٰى]ؔ[1]	پس جب اولیاء اللہ کے لئے طاعت وعبادت سے ان کی قبر میں من جانب اللہ کرامت وتمکین ثابت ہے تو حضرات انبیاء علیہم السلام بطریقِ اولیٰ اس کے مستحق ہیں۔

سورۂ نور وغیرہ کی تلاوت

۴:۔ علامہ جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ نے اس ضمن میں اور بھی روایات کتاب الروضہ اور حافظ ابن رجب سے نقل کی ہیں جن میں قبر کے اندر قرأۃ قرآن کا ثبوت ہے۔ خصوصاً سورہ ملک کی تلاوت کا[2]

---

[1] "شرح الصدور" ص ۷۹، [2] ایضاً ص ۷۹

۵- امام یافعیؒ نے کفایۃ المعتقد میں کہا ہے بعض فقہاء الصالحین سے فقیہ الکبیر، ولی الشہیر حضرت احمد بن موسیٰ بن عجیل کی قبر میں سورۂ نور کی قرأۃ کی سماعت مشہور ہے۔ [۱]

اس تحقیق سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ علماءِ اعلام، تابعینِ عظام کے اقوال سے غیر انبیاء کا قبر میں نماز پڑھنا ثابت ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ارشادات بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر و تصدیق سے ثابت ہے کہ حضرات غیر انبیاء بھی قبروں میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں عجب غیر انبیاء کا یہ حال ہے تو حضرات انبیاء علیہم السلام کے قبور مبارکہ میں نماز پڑھنے میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے؟

جسدِ عنصری یا بدنِ مثالی؟

اب سوال یہ ہے کہ قبر میں نماز پڑھنا، یا قرآن کی تلاوت کرنا وغیرہ قبر میں مدفون جسدِ عنصری کا کام ہے یا بدنِ مثالی کا؟

"اقامۃ البرہان" کے فاضل مصنف حضرت سجاد بخاری صاحب فرماتے ہیں:۔ قبروں میں نماز پڑھنا یا تلاوتِ قرآن کرنا قبر میں مدفون بدن کا کام نہیں بلکہ ان کاموں کو بدنِ مثالی ہی انجام دیتا ہے (ص ۱۶۷) اور فاضل مصنف اس دعویٰ کی بنیاد شیخ اکبر ابن عربی کے اس کلام پر رکھتے ہیں۔

ان من اھل البرزخ...... اہل برزخ میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کی ہمت سے اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق کو پیدا فرما دیتا ہے جو قبر میں وہی عمل کرتی رہتی ہے جو وہ دنیا میں کیا کرتا تھا جیسا کہ ثابت بنانی جلیل القدر تابعی کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ لوگوں نے ان کی قبر کھولی تو ان کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں مصروف پایا، اور بہت سے لوگوں نے اس کا مشاہدہ کیا۔ (الیواقیت والجواہر جلد ۲ ص ۱۴۱) [۲]

حیرت و تعجب کا مقام ہے کہ قبر میں نماز پڑھنے وغیرہ کے لئے اللہ تعالیٰ ایک دوسری مخلوق کو تو پیدا فرما دیتے ہیں، لیکن اسی مدفون جسدِ عنصری میں ایسی نوعِ حیات (معاذ اللہ) پیدا نہیں فرما سکتے جس سے وہ نماز یا قرآن پڑھ سکے۔ آخر اس میں کیا استبعاد ہے کہ اللہ رب العزت اسی مدفون جسدِ عنصری میں فی الجملہ حیات پیدا فرما دیں اور یہی جسدِ عنصری ہی نماز یا قرآن پڑھے۔ پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ دعا تو کریں فاعطنی الصلوٰۃ فی قبری اے اللہ مجھے قبر میں نماز (پڑھنے کا شرف) عطا فرما (طبقات ابن سعد [۳] وغیرہ [۴]) مگر ان کی بجائے یہ شرف عطا فرمایا

---

[۱] "شرح الصدور" ص ۸۷ [۲] "اقامۃ البرہان" ص ۱۴۷ [۳] طبقات ابن سعد جلد ۷ ص ۲۳۳ ترجمہ ثابت بن اسلم البنانیؒ
[۴] "حلیۃ الاولیاء" لابی نعیم جلد ۲ ص ۳۱۹ مطبوعہ مصر

جائے۔ ایک اور مثالی بدن کو اسے پیدا کیا جائے اور اس سے نماز پڑھائی جائے۔

آخر اس میں کون سا محال عقلی لازم آتا ہے یا شریعت کے کس اصول سے تصادم ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت اسی بدن عنصری میں ایک قسم کی زندگی پیدا فرما دیں جس سے یہ اعمال صادر ہوں آخر لوگوں کو اس وجود سے کیا بَیر ہے کہ ایک اور مثالی بدن کی تخلیق تو تسلیم کرتے ہیں مگر اسی وجہ میں فی الجملہ تخلیق حیات کو تسلیم نہیں کرتے۔ اگر اس جسد عنصری سے کچھ ایسا ہی بَیر ہے تو پھر بات پوری کرنی چاہیئے تھی۔ جہاں یہ کہا تھا کہ:-

جلیل القدر تابعی حضرت ثابت بنانی رح کی قبر لوگوں نے کھولی تو ان کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں مصروف پایا۔

وہاں ایک اور سطر بڑھا دینی چاہیئے تھی کہ حضرت ثابت بنانی رح کو لوگوں نے قبر میں دیکھا کہ ان کا جسد عنصری نیچے پڑا ہوا ہے اور ان ہی کے سینے پر کھڑے ہو کر ان ہی کا بدن مثالی نماز پڑھنے میں مصروف ہے۔

ہمیں تو کہا جاتا ہے کہ "قبر میں اتنی گنجائش ہی کہاں ہے کہ انسان کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکے"

مگر اب اسی قبر میں وہ مدفون جسد بھی موجود ہے پھر بدن مثالی کے کھڑے ہونے اور نماز میں مصروف ہونے کی گنجائش، اللہ جانے! کہاں سے نکل آئی۔

بدن مثالی کا قول تو ایک ضرورت سے تھا | علماء اعلام رحمہم اللہ نے بدن مثالی کا قول بعض مواقع پر ضرور کیا ہے۔ مگر وہاں جہاں

جسد عنصری کا موجود ہونا محال تھا مثلاً معراج کے موقع پر ارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس میں اور آسمانوں پر حضرات انبیاء علیہم السلام سے ملاقات فرمائی۔ اور مسجد اقصیٰ میں انہیں نماز بھی پڑھائی، چونکہ ان کے جسد عنصری قبروں میں مدفون تھے۔ اس لئے جمہور علماء امت یہی فرماتے ہیں کہ بیت المقدس یا آسمانوں میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے مثالی ابدان مبارکہ تھے۔

۱:- حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:-

حدیث کی دلالت اس پر ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور یونس علیہ السلام آپ صلعم کو نظر آئے یہ تمثل روحی تھا کیونکہ جسد تو ان حضرات کا قبور میں تھا (التکشف ص ۴۵۰)

۲:- ایک اور جگہ رقم فرماتے ہیں:-

حضرت آدم علیہ السلام جمیع انبیاء میں اس کے قبل بیت المقدس میں بھی مل چکے ہیں اور اسی

طرح بقیہ سمٰوٰت میں جو انبیاء علیہم السلام کو دیکھا۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ قبر میں تو اصلی جسد سے تشریف رکھتے ہیں اور دوسرے مقامات پر ان کی روح کا تمثل ہوا ہے۔ یعنی غیر جسدِ عنصری سے، جس کو صوفیہ جسم مثالی کہتے ہیں روح کا تعلق ہو گیا ۔[1]

۳ ۔ حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں :۔

بیت المقدس میں شبِ معراج کو انبیاء علیہم السلام اپنے عنصری اور حقیقی ابدانِ مبارکہ کے ساتھ تشریف نہیں لائے تھے، کیونکہ وہ تو قبروں میں مدفون اور محفوظ ہیں، بیت المقدس میں صرف ان کی روحیں متشکل ہو کر شریکِ نماز ہوئی تھیں ("اقامۃ البرہان" ص ۱۷۵)

۴ ۔ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں :۔

ان ارواحہم متشکلۃ بشکل اجسادھم کما جزم ابو الوفاء بن عقیل	ان کی روحیں ان کے اجساد کی شکلوں میں متمثل تھیں جیسا کہ ابو الوفاء بن عقیل (متوفی ۵۱۳ھ) نے پورے وثوق سے کہا ہے [2]

۵ ۔ امام ابن قیم علماء امت کا قول پیش کرتے ہیں کہ :۔

شبِ معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرات انبیاء علیہم السلام کو دیکھنا

انما ھی لارواحھم دون اجسادھم والاجساد فی الارض قطعاً [3]	ان کی روحوں کو (متشکل اور متجسم) دیکھنا تھا نہ کہ ان کے جسموں کو کیونکہ ان کے جسم تو قطعی طور پر زمین (قبر) میں تھے ۔

لمحہ فکریہ | ائمہ اعلام دین رحمہم اللہ تو ان موقعوں پر بدن مثالی کا قول اس لئے فرماتے ہیں کہ چونکہ ان حضرات کے اجسام و ابدانِ مبارکہ قبورِ مطہرہ میں موجود و محفوظ ہیں۔ لہٰذا دوسرے مقامات پر ان کے عنصری اجساد نہیں تھے بلکہ مثالی ابدان تھے ۔

اور ہمارے یہ مہربان الثانیہ فرماتے ہیں کہ قبر کے اندر مثالی بدن ہے ۔ اور قبروں میں نماز پڑھنا یا قرآن پڑھنا یہ سب مثالی بدن کا کام ہے ۔ مثالی بدن کا قول تو اس ضرورت سے کیا گیا تھا کہ ان مواقع پر عنصری بدن کا موجود ہونا متعذر تھا۔ اور قبر میں جہاں خود بدنِ عنصری موجود ہے ابدان مثالی لے آنے کی کیا ضرورت ؟

---

[1] نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ذکر معراج ص ۵۰ [2] فتح الباری "اقامۃ البرہان" ص ۱۴۴ [3] کتاب الروح ص ۴۴

۱۔ اچھا، جب مقتدی حضرات انبیاء علیہم السلام بدن مثالی کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے تو امام الانبیاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جسم مثالی سے امامت کرا رہے ہوں گے مگر یہ کوئی نہیں کہتا، اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سب ہی کہتے ہیں کہ حضور نبی کریمؐ اپنے جسدِ عنصری سے نماز پڑھا رہے تھے۔ جسدِ عنصری کے ساتھ معراج پر گئے تھے۔

جب سارے ماموم مقتدی حضرات انبیاء علیہم السلام مثالی بدن سے نماز پڑھ رہے ہیں تو امام حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مثالی بدن کے ساتھ امامت کرنی چاہیئے۔ مگر اس کا کوئی بھی قائل نہیں، کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تو اصلی جسم مبارک موجود ہے۔ جب جسدِ عنصری موجود ہے تو مثالی جسم کے کیا معنیٰ؟ مثالی ابدان تو ان حضرات کے ہیں۔ جن کے عنصری جسم قبروں میں تھے۔

تو یہاں بھی جب قبروں میں اصلی جسم موجود ہے۔ مثالی جسم کے نماز پڑھنے کے کیا معنیٰ؟ مثالی بدن تو وہاں ہوگا جہاں جسدِ عنصری نہ ہو اصلی جسم کا موجود ہونا متعذر ہو۔ اور جہاں خود اصلی جسم موجود ہو۔ وہاں مثالی جسم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۲۔ پھر صحیح حدیث کے مطابق جب جنازہ لوگوں کی گردنوں پر اٹھتا ہے تو کہتا ہے قَدِّمُوْنِیْ، قَدِّمُوْنِیْ[1] (مجھے جلد پہنچادو، مجھے آگے لے چلو) تو یہ بھی تو بدن عنصری نہیں بلکہ بدنِ مثالی کہتا ہوگا؟ اس کے معنیٰ تو یہ ہوئے کہ غسل بھی بدن مثالی کو دیا گیا۔ تجہیز و تکفین سب بدن مثالی کی کی گئی جنازہ بھی بدن مثالی کا پڑھا گیا، دفن بھی بدن مثالی کو کیا گیا پھر تو یہ صحیح ہوگا کہ قبر میں نماز بھی بدن مثالی پڑھتا ہے اور قرآن بھی۔

اور اگر یہ بھی نہیں تو پھر تو یہ بات ناقابلِ فہم ہوگی کہ قبل دفن تو سارا معاملہ بدن حقیقی عنصری سے تھا اور دفن ہوتے ہی وہ بدن عنصری، بدن مثالی میں تبدیل ہوگیا۔ قبر کے باہر غسل، تجہیز تکفین تدفین سب جسد عنصری سے متعلق تھی، اور قبر کے اندر منکر نکیر کے سوالات کی جوابدہی عذاب و راحت کا احساس سلام سننا، جواب دینا، قرآن پڑھنا، نماز ادا کرنا یہ سب کام مثالی بدن کرتا ہے قبر سے باہر بدن عنصری تھا جو دفن ہوتے ہی مثالی بن گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

---

[1] صحیح بخاری، باب کلام المیت علی الجنازۃ

مقامِ غور! غور و فکر کا مقام ہے کہ جہاں بدنِ عنصری موجود ہے۔ وہاں بدنِ مثالی کے قول کی کیا گنجائش ہے؟ کیا ایک ہی مقام پر ایک ہی وقت میں حقیقی اور مثالی دونوں ایمان جمع ہو سکتے ہیں؟ کیا عقلِ سلیم و صحیح اسے تسلیم کر سکتی ہے؟

اگر یہ کہا جائے کہ قبر میں بدن حقیقی، عنصری ہے کہاں؟ وہ تو گل سڑ گیا مٹی ہو گیا۔ اس لئے سارے کام بدن مثالی کرے گا۔

تو عرض یہ ہے کہ گلنے سڑنے تک قبر کے اندر جو کام ہیں وہ تو بدن حقیقی کے مان لیجئے۔ مثلاً دفن کے فوراً بعد دفن کر کے واپس لوٹنے والوں کے جوتوں کی آواز کو سننا،[1] منکر نکیر کے سوالات کے جوابات دینا،[2] اس جواب کے فوراً بعد نعیم جنت یا عذابِ جہنم کا مزہ چکھنا،[3] گلنے سڑنے سے پہلے پہلے زائر کا سلام سننا،[4] جواب دینا،[5] نماز پڑھنا،[6] قرآن پڑھنا![7]

مگر آپ تو مطلقاً یہ فرماتے ہیں کہ:۔

عالمِ برزخ میں روحوں کی تمام سرگرمیاں، ان کا تلذذ و تالم، سلام و کلام، صلوٰۃ و حج وغیرہ ان مثالی اور برزخی بدنوں کی وساطت ہی سے سرانجام پاتے ہیں۔۔۔۔۔ قبروں میں نماز پڑھنا یا تلاوتِ قرآن کرنا قبر میں مدفون بدن کا کام نہیں، بلکہ ان کاموں کو بدنِ مثالی ہی انجام دیتا ہے۔
("اقامۃ البرہان" ص ۱۶۷)

پھر دوسری اہم بات یہ ہے کہ جن ذواتِ قدسیہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے متعلق آپ کا بھی ایمان ہے کہ ان کے اجسادِ گرامی کو مٹی نہیں کھاتی۔ اور وہ بالکل تر و تازہ جوں کے توں رکھے ہیں۔ بالکل صحیح و سالم، ذرہ بھر تغیّر ان میں رونما نہیں ہوا نہ ہو سکتا ہے، ان کے حق میں تو تسلیم فرمالیجئے کہ وہ سلام سنتے ہیں اور سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔ مگر آپ کا تو ان کے بارے میں بھی یہی ارشاد ہے کہ:۔

ارواحِ انبیاء علیہم السلام کا ان کے بدنوں کے ساتھ جو تعلق ہے۔ یہ بدنوں میں صفتِ حیات پیدا کرنے کے لئے نہیں تاکہ ان کے بدن زندہ ہو کر قبروں میں نماز پڑھیں اور زائرین کا سلام بگوشِ سر سنیں، بلکہ یہ تعلق محض اتصال اور قرب کا ہے تاکہ ان کی روحیں زائرین کا سلام سنیں اور متمثل ہو کر قبر میں قرآن کی تلاوت کریں اور نماز پڑھیں۔ ("اقامۃ البرہان" ص ۱۹۰، ۱۹۱)

از راہِ انصاف فرمائیے! وجودِ اقدس و اطہر تر و تازہ ہے، جوں کا توں ہے، بالکل صحیح سلامت پھر اس کے ساتھ روح کا اتصال و قرب کا تعلق ہے۔ مگر بایں ہمہ اس بدن عنصری میں بھی حیات تسلیم

نہیں کی جاتی جس سے وہ زائرین کا سلام سن سکیں، یا قبر میں قرآن کی تلاوت کر سکیں یا نماز پڑھ سکیں البتہ پہلے ایک اور مثالی وجود بنایا جاتا ہے، پھر اس کے اندر روح ڈال کر اسے زندہ کیا جاتا ہے پھر اس مثالی بدن کو قبر کے اندر داخل کیا جاتا ہے۔ اب جا کر وہ مثالی بدن سلام سنتا، نماز پڑھتا، اور قرآن کی تلاوت کرتا ہے۔ کیا یہ منطق معقول اور یہ تقریر عادلانہ ہے، کیا یہ صریح زیادتی نہیں ہے؟

آپ ہی اپنے ذرا طرزِ عمل کو دیکھیں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

آخر یہ کہاں کا عدل و انصاف ہے کہ بدنِ عنصری کے ساتھ تو روح کا ادنیٰ تعلق نہیں مانا جاتا اور کہا جاتا ہے کہ روح کا مستقر اعلیٰ علیین ہے۔ رفیق اعلیٰ ہے۔ وہاں سے روح قبر میں نہیں آسکتی اور جسدِ عنصری کے ساتھ تعلق ـــــ جس سے اس میں نوعِ حیات پیدا ہو جائے ـــــ قائم نہیں کر سکتی۔ لیکن جب بدنِ مثالی کا معاملہ ہو تو روح رفیقِ اعلیٰ سے فوراً چلی آتی ہے۔ اور بدن کے خود اندر داخل ہو جاتی ہے جس سے بدن مثالی میں حقیقی حیات پیدا ہو جاتی ہے اور وہ قبر کے اندر سارے کام بے تکلف کرنے لگ جاتا ہے۔

آخر کوئی مشکل درپیش ہے یا صرف وجودِ اقدس سے بغض و بیر ہے کہ حقیقی جسدِ مطہر و مقدس کا سوال ہو تو ہر بات غلط اور ناممکن! اور مفروضہ بدن مثالی کا معاملہ ہو تو ہر بات صحیح، ممکن، بلکہ ثابت ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

ایک مشکل! اگر یہ اشکال درپیش ہے کہ نماز اور قرآن پڑھنے کے لئے زندگی کی ضرورت ہے۔ اگر نماز پڑھنا اور قرآن کی تلاوت کرنا جسدِ عنصری کا فعل تسلیم کر لیا جائے تو تو پھر اس کے اندر زندگی اور حیاتِ کاملہ ماننا پڑے گی اور وہ قیامت سے پہلے ممکن نہیں۔

یہ صحیح ہے کہ کتاب و سنت کی نصوصِ صریحہ کے مطابق موت کے بعد حیات قیامت کے دن ملے گی، پہلے نہیں۔ مگر کون سی حیات؟ حیاتِ کاملہ موت سے پہلے والی زندگی! رہی نوعًا من الحیات فی الجملہ حیات۔ ایک گونہ زندگی، جس سے عذاب و آرام، دکھ سکھ کا احساس و ادراک ہو سکے، تو یہ کتاب و سنت اور اجماعِ امت سے ثابت ہے کہ قبر میں میت کو حاصل ہے۔ اس موضوع پر مستقل بحث تفصیل کے ساتھ اسی کتاب میں موجود ہے۔

جس ایک گونہ حیات اور فی الجملہ زندگی سے قبر میں مدفون بدنِ عنصری عذاب و ثواب قبر کا احساس و ادراک کرتا ہے۔ اسی نوع حیات سے قبر میں نماز بھی پڑھ سکتا ہے اور قرآن بھی!

اعمالِ قبر کی نوعیت

باقی جس طرح عذاب و آرامِ قبر کو ہم محسوس نہیں کر سکتے۔ نہ ہی قبر کی آگ اور سبزی، تنگی اور فراخی دنیا کی آگ اور سبزی اور محسوس و مرئی تنگی اور فراخی ہے بلکہ یہ آخرت کی آگ اور سبزی ہے، جسے دنیوی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ اسی طرح قبر کے اندر نماز پڑھنے کے یہ معنیٰ نہیں کہ مقبور بدن اٹھتا بیٹھتا، سجدہ و رکوع کرتا ہے اور ہمیں نظر بھی آ سکتا ہے۔ جس طرح مقبور و مدفون بدن پر وارد عذاب و تنعیم کو دنیوی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ اسی طرح بدنِ مقبور و مدفون کا قیام و رکوع و سجدہ بھی نہیں دیکھ سکتی۔ دنیوی آنکھ تو دنیا کے اندر سوئے ہوئے زندہ انسان کے جسم پر خواب کے اندر وارداات کو نہیں دیکھ سکتی۔ یہ مردہ انسان کے جسم پر قبر میں واردات کو کیا دیکھے گی۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے مقبول اور برگزیدہ خاص بلکہ اخص بندوں کو قبر کے آلام و آرام اور عذاب و راحت پر مطلع کر دیتے ہیں اور وہ قبر کے اندر بدنِ مقبور پر عذاب و ثواب کا مشاہدہ کرتے ہیں، یہی خاص اور اخص حضرات مدفون بدن کے قبر کے اندر نماز پڑھنے کو بھی دیکھ سکتے ہیں۔

ہاں! کبھی کبھی اللہ رب العزت کسی مصلحت سے جیسے قبر کے عذاب و راحت کی جھلک اہلِ دنیا کو بھی دکھا دیتے ہیں۔ اسی طرح کبھی کبھی بدنِ مدفون — مثلاً حضرت ثابت بنانیؒ — کا نماز پڑھنا بھی اہلِ دنیا کو دکھا دیتے ہیں اور قرآن کی تلاوت بھی سنا دیتے ہیں۔ ورنہ قبر کے عذاب و ثواب، قبر کی تنگی و فراخی اور قبر کی آگ اور سبزی کی طرح قبر کے اعمال نماز تلاوتِ قرآن وغیرہ بھی دنیوی نوعیت کے نہیں، اخروی قسم کے ہیں، معنوی قسم کے! جن کا علم و ادراک اللہ تعالیٰ اپنے خاص اور اخص بندوں کو عطا فرما دیتے ہیں۔ عام آدمیوں کو ان کا علم نہیں ہو سکتا، عام لوگوں کو تو قبر کے باہر چارپائی پر میت کے قَدِّمُوْنِیْ قَدِّمُوْنِیْ کہنے کا علم و سماع نہیں ہو سکتا۔ قبر کے اندر کے اعمال کا علم و احساس کیا ہوگا؟

اعمالِ قبر میں حج کا ذکر بھی فرمایا گیا تو ایک اہلِ علم بالکل عامیانہ انداز میں سوچتے اور استہزا و تمسخر کے انداز میں لکھتے ہیں:۔

یہی دھڑ مکہ شریف حج کرنے، وقوفِ عرفہ کرنے، طوافِ کعبہ کرنے کو زمین کے اندر اندر ہی چلا جاتا ہے، اس بیچارے دھڑ کو اب بھی آرام سے ایک جگہ ٹکنے نہیں دیتے، پھر لطف یہ کہ کہتے ہیں دھڑ ہمیں تو یہیں قبر اور گڑھے میں دھرا دکھ رہا ہے مگر مکہ شریف میں حج کرنے کو بھی یہی دھڑ گیا ہوا ہے، ہمیں محسوس نہیں ہوتا" ندائے حق" ص ۲۲۰)

اہلِ علم ہو کر اتنی سیدھی سی بات نہیں سمجھ سکتے، کہ اعمالِ قبر، دنیوی اعمال نہیں کہ نماز کے لئے

طہارت و وضو، قیام و قعود اور حج کے لئے مکہ شریف کے سفر کی ضرورت ہو۔ آخر نائم بھی تو نماز پڑھتا ہے، حجازِ مقدس کیا! یورپ، امریکہ، بلکہ عالم بالا کی سیر و سیاحت کرتا ہے۔ کیا اس کے متعلق بھی کبھی کسی نے کہا ہے کہ "اسے نیند میں بھی آرام سے ایک جگہ ٹکنے نہیں دیتے"۔ پھر جب وہ شرق و غرب، عرب و عجم کی سیر اور ارض و سماء پر پرواز کر رہا ہوتا ہے کیا وہ ہمارے سامنے سویا ہؤا نہیں ہوتا؛ یقیناً سویا ہؤا ہوتا ہے۔ اہل علم کو تو یہ سمجھانے کی ضرورت ہی نہیں کہ بارشاد رسولؐ نیند موت کی بہن بلکہ عین موت ہے۔ اور بالفاظِ قرآن نیند وفات ہے۔

جس طرح نیند میں روح نکال لی جاتی ہے، تو روح کا تعلق بدن سے برقرار رہتا ہے اور نائم خواب کے اندر کھاتا پیتا چلتا پھرتا ہے، سیر و سیاحت کرتا ہے، ہواؤں فضاؤں اور آسمانوں میں اڑتا پھرتا ہے، بعض ایسے اعمال کا ارتکاب بھی کرتا ہے، جن کا اثر بیداری کے بعد بھی اس کے جسم پر ظاہر و موجود رہتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ سامنے بیٹھا ہؤا انسان یہی دیکھتا ہے کہ یہ بے حس و حرکت، ساکت و جامد پڑا ہؤا ہے۔ بالکل اسی طرح موت کے بعد جب روح کا تعلق و اتصال جسم سے ہوتا ہے تو میت سلام سنتا، جواب دیتا، نماز اور قرآن پڑھتا ہے مگر اہلِ دنیا کی نگاہ میں ہڈیوں کا ڈھانچہ پڑا ہوتا ہے۔ چونکہ مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کی خبر دی ہے۔ لہٰذا ہمارا ایمان ہے، بن دیکھے سنے ایمان ہے۔ اور کبھی کبھی اللہ تعالےٰ کسی جسدِ مقبور و مدفون کی تلاوتِ قرآن کی آواز اہل دنیا کو سنوا بھی دیتے ہیں جیسے کبھی کسی نائم کی بات ہمیں سنوا دیتے ہیں اس کے رونے ہنسنے پر ہمیں مطلع فرما دیتے ہیں۔

حضرت زید بن خارجہؓ کا بعدِ وفات کلام کرنا

تاریخ اسلام میں تو ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ اسی دنیا میں بعض بزرگوں نے بعد الموت لوگوں سے بات چیت کی۔ چنانچہ حضرت زید بن خارجہ جلیل القدر صحابی کا واقعہ مشہور ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

ا:- شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:-

زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ کا اپنی وفات کے بعد خلفائے ثلٰثہ کے فضائل بیان کرنا

ابو عمر (امام ابن عبد البر رح) نے بروایت سلیمان بن بلال، یحییٰ بن سعید، سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے کہ زید بن خارجہ انصاری، حارثی، خزرجی نے عہد خلافت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ میں وفات پائی۔ تو ان کو ایک چادر اوڑھا دی گئی۔ پھر لوگوں نے ان کے سینہ سے کچھ آواز گھنٹی

کی آواز کی مثل سنی، اس کے بعد انہوں نے کلام کیا۔

فقال احمد احمد فی الکتاب الاوّل صدق صدق ابو بکر الصدیق الضعیف فی نفسہ القوی فی امر اللہ فی الکتاب الاوّل، صدق صدق عمر بن الخطاب القوی الامین فی الکتاب الاوّل، صدق صدق عثمان بن عفان علی منہاجہم[1]

اور کہا احمد احمد اگلی کتابوں میں (اسی نام سے مذکور) ہیں، سچ کہا۔ سچ کہا، ابوبکر صدیق اپنی ذات میں ضعیف ہیں دین کے کام میں قوی ہیں۔ اگلی کتاب میں (اسی وصف کے ساتھ مذکور) ہیں سچ کہا۔ سچ کہا عمر بن الخطاب قوی امانت دار اگلی کتاب میں (اسی وصف سے) مذکور ہیں، سچ کہا سچ کہا عثمان بن عفان انہی کے طریقہ پر ہیں..... اور ایسا ہی واقعہ ربعی بن خراش کے بھائی کا بھی پیش آیا ہے۔

۲ :- علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ (م ۴۶۳ھ) اپنی شہرہ آفاق تالیف "الاستیعاب فی اسماء الاصحاب" میں لکھتے ہیں :-

زید بن خارجہ..... روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم..... وھو الذی تکلم بعد الموت لا یختلفون فی ذالک

زید بن خارجہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور یہ وہی ہیں جنہوں نے بعد الموت کلام کیا اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں

پھر علامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ اس حدیث کو ثقات الشامیین نے حضرت نعمان بن بشیر سے اور ثقات کوفیین نے یزید بن نعمان بن بشیر سے روایت کیا ہے اس کے بعد امام رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ مذکورہ بالا واقعہ حضرت سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے[2]

۳ :- شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں :-

ذکر البخاری وغیرہ انہ الذی تکلم بعد الموت[3]

امام بخاری وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ زید بن خارجہ وہی ہیں جنہوں نے موت کے بعد کلام کیا۔

۴ :- پھر لکھتے ہیں :- ابن مندہ نے نعمان بن بشیر سے (بسند) روایت کیا ہے کہ زید بن خارجہ انصاری کے نیک اور بہترین نوجوانوں میں سے ایک نوجوان تھا اس نے موت کے بعد کلام کیا، پھر سارا قصہ بیان کیا، اور اسی قصہ کو :-

۵ :- ابو نعیم نے بھی تفصیل دلوالت کے ساتھ روایت کیا ہے۔[4]

[1] ازالۃ الخفاء مترجم جلد اوّل ص ۴۶۴، مقصد اوّل، فصل چہارم، احادیث خلافت [2] استیعاب ترجمہ حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ
[3] اصابہ جلد اوّل ذکر حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ [4] اصابہ جلد ثانی ذکر حضرت سعد بن خارجہ رضی اللہ عنہ -

۱۶۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے تہذیب میں ذکر کیا ہے کہ یہ قصہ حضرت نعمانؓ بن بشیر وغیرہ سے متعدد طریقوں سے مروی ہے لہ

۱۷۔ امام ابن سعد[۲] رحمہ اللہ بھی لکھتے ہیں:۔

زید بن خارجہ وھو الذی سمع منہ الکلام بعد موتہ فی زمن عثمان بن عفان[۳]

حضرت ربیع بن حراش کا کلام بعد الموت

علامہ ابن عبد البر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ربعی بن حراش (جلیل القدر تابعی) سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا میرا بھائی بڑا عابد نماز گزار اور صائم تھا مر گیا ہم نے اس کے اوپر چادر ڈال دی اور اس کے قریب بیٹھ گئے۔ اس حال میں اس نے اپنے منہ سے چادر ہٹائی اور کہا السلام علیکم میں نے کہا سبحان اللہ بعد الموت یہ تکلم؟ اس نے کہا:۔

لقیت ربی فتلقانی بروح وریحان ورب غیر غضبان.......	میں اپنے رب سے ملا، سو میرا رب مجھے خوشی اور رحمت کے ساتھ ملا اور بالکل بے غضب ہو کر....

حضرت علی بن المدینی (ایک راوی) کہتے ہیں کہ اس حدیث کو عبد الملک بن عمیر سے متعدد حضرات نے روایت کیا ہے اور ربعی بن حراش سے عبد الملک بن عمیر کی طرح حمید بن ہلال نے روایت کیا ہے اور حمید بن ہلال سے ایوب السختیانی اور عبد اللہ بن عون نے روایت کیا ہے، اور علی بن المدینی نے ان سب احادیث کو ذکر کیا ہے[۴]

۴۳۔ ربعی بن حراش کے بھائی کا نام امام ابن سعد رحمہ اللہ (م ۲۳۰ھ) نے الربیع بن حراش لکھا ہے۔ دو روایتیں بسند روایت کی ہیں جن میں ہے کہ مرنے کے بعد ربیع بن حراش نے منہ سے کپڑا ہٹایا، اور کہا السلام علیکم، ربعی بن حراش نے کہا وعلیک و رحمۃ اللہ سبحان اللہ أبعد الموت یا أخی؟ اس نے کہا:۔ انی لقیت ربی بعدکم فتلقانی بروح وریحان ورب غیر غضبان... [۵]

لہ "کلمۃ الانجام" ص ۲۱۲ (؟) "رحمت کائنات" از حضرت مولانا زاہد الحسینی صاحب ص ۱۱۲ [۲] امام ابن سعد رحمہ اللہ حدیث و سیرت و تاریخ کے جلیل القدر مشہور آفاق امام ہیں۔ آپ کی کتاب طبقات صحابہؓ و تابعینؒ وغیرہ کے حالات میں بڑی ضخیم اور بے نظیر کتاب ہے سن وفات ۲۳۰ھ ہے۔ [۳] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۵۲۴ ذکر حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ [۴] استیعاب ترجمہ حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ [۵] طبقات ابن سعد جلد ۶ ص ۱۵۰ ذکر حضرت ربیع بن حراش رحمہ اللہ۔

۱۳:- شیخ محی الدین نووی (م ۶۷۶ھ) شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں:-

ربعی بن حراش اخو مسعود الذی تکلم بعد الموت واخوھما ربیع وربعی تابعی کبیر جلیل حلف انہ لا یضحک حتی یعلم این مصیرہ فما ضحک الا بعد موتہ وکذا حلف اخوہ ربیع ان لا یضحک حتی یعلم فی الجنۃ ھو او فی النار قال غاسلہ فلم یزل متبسما علی سریرہ ونحن نغسلہ حتی فرغنا توفی ربعی سنۃ احدی ومأتہ [1]

ربعی بن حراش مسعود کا بھائی ہے جس نے بعد الموت کلام کیا، اور ان دونوں کے بھائی ربیع ہیں، ربعی کبیر وجلیل تابعی ہیں، انہوں نے قسم کھائی کہ جب تک اسے یہ علم نہیں ہوگا کہ اس کا ٹھکانا کہاں ہے وہ نہیں ہنسے گا چنانچہ وہ نہ ہنسے مگر موت کے بعد، اسی طرح اس کے بھائی ربیع نے قسم کھائی کہ جب تک اسے یہ علم نہیں ہوگا کہ وہ جنتی ہے یا دوزخی، وہ نہیں ہنسے گا۔ چنانچہ اسے غسل دینے والے نے کہا کہ وہ تختۂ غسل پر برابر ہنستے رہے یہاں تک کہ ہم غسل دے کر فارغ ہو گئے ربعی نے ایک سو ایک ہجری میں وفات پائی۔

ایک شبہ یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ بعد وفات غیر نبی کے اندر تو آثارِ حیات اتنا قوی ہوں کہ وہ نماز پڑھتے اور کلام کرتے اور ہنستے دیکھے جائیں مگر نبی اللہ حضرت سلیمان علیہ السلام بعد وفات اپنے جسم کو بھی نہ سنبھال سکیں۔ جب دیمک ان کے عصا کو کھا جائے تو وہ گر پڑیں، قولہ تعالےٰ:-

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ ۖ فَلَمَّا خَرَّ...... (پارہ ۲۲، سبا)

پس جب ہم نے ان پر موت کا حکم جاری کر دیا تو کسی چیز نے ان کی موت کا پتہ نہ دیا مگر گھن کے کیڑے نے، کہ وہ سلیمان کے عصا کو کھاتا تھا، سو (عصا کو دیمک کھا گئی تو) وہ جب گر پڑے،.......

جواب اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ غیر انبیاء کی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی وقوعِ موت متفق علیہ ہے۔ جس کے نتیجے میں اعضاء ظاہری اور اعمال وحرکات کا تعطل لازمی واجماعی امر ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ لیکن آثارِ حیات کا موقوف ومعطل محسوس ہونا ہمارے مشاہدہ کے اعتبار سے ہے۔

[1] نووی شرح صحیح مسلم جلد اول باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حقائق برزخیہ ہمارے مشاہدہ سے بالا ہیں

حقائق برزخیہ کے بارے میں اصل یہ ہے کہ وہ ہمارے حواس و مشاہدہ سے وراء الوراء ہیں۔ خواہ یہ حقائق حضرات انبیاء علیہم السلام کے متعلق ہوں یا حضرات شہداء رضی اللہ عنہم سے متعلق یا عام اموات کے متعلق۔ چنانچہ حضرات شہداء کے متعلق فرمایا گیا ہے بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ یعنی وہ ہیں تو زندہ لیکن تم مشاہدہ و حس کے ساتھ اس زندگی کا ادراک نہیں کر سکتے، تو ہمارا مشاہدہ گو حیاتِ شہداء کی نفی کرتا ہے۔ لیکن یہ ہمارا عین ایمان ہے کہ حضرات شہداء رضی اللہ عنہم زندہ و حیات ہیں۔

بہر حال حقائق برزخیہ ہمارے مشاہدہ سے بالا ہیں۔ ہماری آنکھوں میں حالاتِ برزخیہ کے مشاہدہ کی صلاحیت ہی نہیں۔

امام الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ امام المناطقہ والفلاسفہ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ (م ۵۰۵ھ) سے نقل فرماتے ہیں کہ:۔

فَإِنَّ هٰذَا الْعَيْنَ لَا تَصْلُحُ لِمُشَاهَدَةِ الْأُمُوْرِ الْمَلَكُوْتِيَّةِ وَكُلُّ مَا يَتَعَلَّقُ بِالْآخِرَةِ فَهُوَ مِنْ عَالَمِ الْمَلَكُوْتِ۔	بیشک یہ آنکھ امور ملکوتیت کو دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور ہر چیز جو آخرت سے متعلق ہو وہ عالم ملکوت سے ہے۔

پھر فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نزولِ جبریل علیہ السلام پر کس طرح ایمان لے آتے تھے، حالانکہ وہ اسے دیکھتے نہیں تھے۔ لیکن ان کا ایمان تھا کہ نبی علیہ السلام اسے دیکھتے ہیں، پس اگر تو اس پر ایمان نہیں لاتا۔

فتصحیح اصل الایمان بالملائکۃ والوحی اھم علیک	تو ملائکہ اور وحی پر صحیح ایمان لانا تیرے لئے بہت مشکل ہے۔

اور اگر تیرا اس پر ایمان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ کچھ دیکھتے ہیں، جو امت نہیں دیکھتی۔

فکیف لا تجوز ھٰذا فی المیت [1]	تو پھر میت کے بارے میں تو اسے کیوں جائز نہیں سمجھتا۔

میت کے بارے میں بھی مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ بالکل صحیح ہے

---

[1] "حجۃ اللہ البالغۃ" جلد اول باب ذکر عالم المثال

گو وہ ہمارے مشاہدہ سے ماوراء ہے، جیسے ملائکہ جبریل امین، نزول وحی ہمارے مشاہدہ سے ماوراء ہے مگر ان پر ہمارا ایمان ہے۔ اسی بحث میں فرماتے ہیں، ہ قبر و برزخ سے متعلق احادیث کا ظاہر صحیح ہے۔ اور ان کے اسرار مخفی ہیں۔ لیکن یہ اہلِ بصیرت کے نزدیک واضح ہیں۔

فَمَنْ لَا یَنْکَشِفُ لَہٗ حَقَائِقُھَا فَلَا یَنْبَغِیْ اَنْ یُنْکِرَ ظَوَاھِرَھَا بَلْ اَقَلُّ دَرَجَاتِ الْاِیْمَانِ التَّسْلِیْمُ وَالتَّصْدِیْقُ [1]

پس جس پر ان حقائق کا انکشاف نہ ہو اسے ظاہر احادیث کا انکار جائز نہیں بلکہ ایمان کا کمتر درجہ انہیں صحیح تسلیم کرنا اور ان کی تصدیق کرنا ہے۔

ان اکابر و عمائد امت اور مشائخ و حکماء اسلام کے اس ارشاد سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبر و برزخ کے احوال و حقائق سے متعلق احادیثِ صحیحہ متواترہ کا انکار انسان کو ایمان سے خارج کر دیتا ہے۔ اہل اللہ پر تو ان حالات و حقائق کا انکشاف ہوتا ہے۔ باقی ایمان کا اقلّ و ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ان احادیث کی بھی تصدیق کی جائے۔ اور انہیں دل سے تسلیم کیا جائے۔ اگر کوئی ان حقائق کی تسلیم و تصدیق نہیں کرتا بلکہ الٹا استہزاء تمسخر کرتا ہے۔ تو وہ ایمان کے آخری درجہ سے بھی محروم ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

بعض حقائقِ برزخیہ کا بطورِ خرق عادت مشاہدہ

بہر حال حالات و حقائق برزخیہ کے بارے میں اصل یہی ہے کہ وہ عوام اہلِ دنیا کے حواس و مشاہدہ سے وراء و بالا ہیں۔ خواہ یہ حقائق حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی متعلق کیوں نہ ہوں، مگر بعض مصالح کی بنا پر بطورِ خرق عادت کبھی ان قبر و برزخ سے متعلق حالات و کوائف کا مشاہدہ کرا دیا جاتا ہے مثلاً (۱) جلیل القدر تابعی حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ کا قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا دکھا دیا گیا (۲) بعض صحابہ کرامؓ کو کسی قبر سے تلاوتِ قرآن سنا دی گئی (۳) حضرت ربعی بن حراش کے بھائیوں ربیع بن حراش اور مسعود رحمہما اللہ کا بعد موت کلام (۴) اور خود جلیل القدر تابعی حضرت ربعی بن حراش رحمہ اللہ کا بعد الموت اور ان کے بھائی ربیع کا تختۂ غسل پر ہنسنا اور (۵) عظیم المرتبت صحابی حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ کا بعد الموت کلام کرنا اور (۶) امام التابعین حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کو حضرت

---

[1] "حجۃ اللہ البالغۃ" ایضاً باب عالم مثال

صلے اللہ علیہ وسلم کی مزار پر انوار سے اذان واقامت کی آواز سنوادینا وغیرہ وافعات و حالات برزخیہ کا مشاہدہ بطور خرقِ عادت ہے ورنہ اصل حقائق برزخیہ کا دنیوی قُویٰ سے اخفاد استتار ہے، اور اسی اصل کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام میں اثرِ حیات کا مشاہدہ نہیں کرایا گیا اور دنات کے بعد وہ گر پڑے۔ اس میں حیرت داستعجاب کی کوئی بات نہیں۔ اصلاً و اصولاً ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا کیونکہ اصل واصول ستر و اخفا ہے نہ کہ اظہار و مشاہدہ، اور حیرت و تعجب خلافِ اصل و ضابطہ پر ہونا چاہیئے نہ کہ حسبِ اصل و ضابطہ پر!





حیاتِ شہداء رضی اللہ عنہم

حضرات شہداء کی حیات — حضرات شہداء رحمہم اللہ کی حیات قرآن کریم سے ثابت ہے، اور انہیں مردہ سمجھنے بلکہ مردہ کہنے تک سے روک دیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:-

۱۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ (بقرہ، ع ۱۹)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو نہ کہو کہ وہ مردے ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تم نہیں سمجھتے،

یہاں حضرات شہداءؒ کو مردہ کہنے کی ممانعت ہے اور آگے مردہ سمجھنے تک کی بھی نہی ہے۔ ارشاد فرمایا:-

۲۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ (پارہ ۴۔ آل عمران، ع ۱۷)

اور تو ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے مردہ نہ سمجھ، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔

بظاہر شہید فی سبیل اللہ موت کا ذائقہ چکھ چکا ہے، فوت ہو چکا ہے، بلکہ بسا اوقات اس کے وجود کی تکا بوٹی ہو چکی ہے، پھر اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی گئی ہے اور اسے قبر میں دفن کر دیا گیا ہے، لیکن بایں ہمہ اسے مردہ سمجھنے اور مردہ کہنے تک سے منع فرما دیا گیا اور کتاب اللہ میں شہید کو صراحت سے احیاء (زندہ) فرمایا گیا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ شہید زندہ ہے —— مگر بظاہر تو زندہ معلوم نہیں ہوتا قبر میں دفن ہو چکا ہے، اسی لئے فرمایا گیا کہ تم اس کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے، اپنے حواس و مشاہدہ سے اس کی حیات کا ادراک نہیں کر سکتے۔

دوسری آیت شریفہ میں حیات پر رزق مستزاد ہے حضرات شہداء صرف زندہ نہیں بلکہ عند اللہ انہیں رزق بھی ملتا ہے۔

یہ بات مشاہدہ کے خلاف اور ادراک و شعور سے بعید تھی۔ اس لئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے امر کی حقیقت نبی کریمؐ سے دریافت کی،

۱:۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے ہم نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت
وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔ الآیتہ) کے متعلق
پوچھا تو فرمایا:۔

اَرْوَاحُهُمْ فِيْ اَجْوَافِ طَيْرٍ خُضْرٍ لَهَا قَنَادِيْلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَآءَتْ ثُمَّ تَأْوِيْ اِلٰى تِلْكَ الْقَنَادِيْلِ (رواہ مسلم)[1]

ان کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹ میں ہیں، ان کے لئے عرشِ الٰہی سے قندیلیں لٹکائی گئی ہیں وہ بہشت میں سے جہاں سے ان کا جی چاہے (میوے) کھاتی ہیں پھر قندیلوں میں آرام کرتی ہیں۔

۲:۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا، جب تمہارے بھائی (غزوہ) اُحد کے دن شہید کئے گئے تو اللہ تعالےٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے پیٹ میں داخل کر دیا۔ وہ جنت کی نہروں پہ آتے ہیں جنت کے میوے کھاتے ہیں اور سونے کی قندیلوں میں جو عرشِ الٰہی کے سایہ میں معلق ہیں آرام کرتے ہیں، جب انہوں نے کھانے پینے اور آرام و استراحت کی خوشی حاصل کی تو کہنے لگے کون ہے جو ہماری طرف سے ہمارے بھائیوں کو (یہ پیغام) پہنچائے کہ:۔

اِنَّا اَحْيَآءٌ فِي الْجَنَّةِ۔ بیشک ہم جنت میں زندہ ہیں تاکہ وہ حصولِ جنت میں بے پرواہی نہ کریں اور جہاد میں سستی نہ کریں۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے فرمایا تمہاری طرف سے میں ان کو (یہ پیغام) پہنچاتا ہوں فانزل اللہ تعالیٰ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ۔۔۔۔۔۔ پس اللہ تعالےٰ نے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ۔۔۔۔ آیات نازل فرمائیں۔ (رواہ ابوداؤد)[2]

حضرت عائشہ، حضرت جابر، حضرت عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت کعب، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت ابو درداء، حضرت ہذیل، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابو خنیس، حضرت انس، حضرت ابوسعید خدری وغیرہ رضی اللہ عنہم سے بھی اس مضمون کی روایات ہیں۔

اجلہ و مشاہیر مفسرین اور معروف و معتبر شراح حدیث کے ساتھ اکابر اولیاء و ائمہ دین رحمہم اللہ سے بھی تفسیر و شرح منقول و مروی ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح "کتاب الجہاد" [2] ایضاً

حضرات شہداؒ کی حیات روحانی ہے اور فی الجنّة!

اللہ رب العزت کے کلام پاک کی جو تفسیر اللہ کے معصوم رسولؐ نے کی ہے اس سے واضح طور پر یہ حقیقت سامنے آگئی ہے کہ حضرات شہدا رحمہم اللہ کی حیات سے مراد جنّت میں ان کی روحانی حیات ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا روایت ابوداؤد میں تو بصراحت اَنْفُسُہُمْ فِی الْجَنَّةِ کے الفاظ موجود ہیں۔ لہٰذا اب اس حقیقت میں کوئی شک وشبہ نہ رہا کہ حضرات شہدا کی حیات روحانی ہے اور فی الجنّة ہے۔

سورہ یٰسٓ میں جس مرد صالح کا ذکر ہے کہ اس نے اصحاب القریہ (گاؤں والوں) کو اتباع مرسلین اور توحید کی دعوت دی۔ خود بر ملا اللہ رب العزت پر ایمان لایا جس کی پاداش میں قوم نے اسے شہید کر دیا۔ جام شہادت پیتے ہی وہ داخلِ جنت ہو گیا۔ اس مرد صالح وشہید کو بھی جنّت میں اسی طرح اپنی قوم کی خیر خواہی کا خیال رہا۔ کہنے لگا کہ کسی طرح میری قوم کو میرے درجہ و اکرام کا حال معلوم ہو جاتا۔

قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ ۝ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ ۝
(پارہ ۲۳- یٰسٓ، ع ۲)

حکم ہوا کہ جنت میں داخل ہو جا۔ کہنے لگا کہ کاش میری قوم کو معلوم ہو جاتا کہ میرے پروردگار نے مجھ کو بخش دیا اور مجھ کو عزت والوں میں شامل کر لیا۔

قرآن کریم اور حدیث پاک کا مضمون کس درجہ باہم مشابہ وہم آہنگ ہے۔ پھر جس اکرام و تکریم کا ذکر اس مردِ صالح وشہید کے لئے قرآن کریم میں ہے رسولِ کریمؐ نے اپنی امت کے شہداؒ کے لئے بھی اسی کرامت کا ذکر فرمایا ہے۔ فرمایا:۔

۴۳- مَا مِنْ اَحَدٍ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ یُحِبُّ اَنْ یَرْجِعَ اِلَی الدُّنْیَا..... اِلَّا الشَّهِیْدُ یَتَمَنّٰی اَنْ یَرْجِعَ اِلَی الدُّنْیَا فَیُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِمَا یَرٰی مِنَ الْکَرَامَةِ۔ متفق علیہ [1]

کوئی شخص ایسا نہیں جو جنت میں داخل ہونے کے بعد دنیا کی طرف واپس آنے کو پسند کرے، مگر شہید، وہ تمنا کرے گا کہ دنیا میں واپس جائے اور دس بار شہید کیا جائے۔ اس لئے کہ وہ (شہادت کی) عزت و کرامت کو دیکھ چکا ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح "کتاب الجہاد" بروایت حضرت انسؓ

۴:۔ جامع ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اس میں لیس احد من اھل الجنۃ..... کے الفاظ ہیں [۱]

شہید کی وجہ اسمیہ شہید کو شہید کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ شہید فی سبیل اللہ قتل ہوتے ہی جنت میں شاہد و حاضر ہو جاتا ہے، بخلاف اس کے غیر شہید قیامت کے بعد جنت میں داخل ہوں گے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ شرح مسلم میں النضر بن شمیلؒ سے نقل کرتے ہیں کہ :۔

واما تسمیۃ شھیدا لانہ حیٌّ فان ارواحھم شھدت وحضرت دار السلام وارواح غیرھم انما تشھدھا یوم القیمۃ [۲]

شہید دنیوی زندگی کی تمنا کرے گا، مگر پوری نہ ہوگی اور تو کوئی شخص جنت سے دنیا میں واپسی کی آرزو نہیں کرے گا۔ صرف شہید فی سبیل اللہ یہ تمنا کریں گے مگر وہ بھی پوری نہیں کی جائے گی۔

۵:۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی (مندرجہ صفحہ کتاب ہذا) صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ :۔..... ان کے پروردگار نے ان کی طرف جھانکا اور فرمایا کیا تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے ؟ انہوں نے عرض کیا ہم کس چیز کی خواہش کریں جبکہ ہم جنت میں جہاں سے چاہتے ہیں (میوے) کھاتے ہیں، اللہ تعالےٰ نے ان سے تین بار اسی طرح پوچھا، جب انہوں نے دیکھا کہ سوال کا یہ سلسلہ برابر جاری رہے گا تو عرض کیا :۔

یَا رَبِّ نُرِیْدُ اَنْ تَرُدَّ اَرْوَاحَنَا فِیْ اَجْسَادِنَا حَتّٰی نُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِکَ مَرَّۃً اُخْرٰی فَلَمَّا رَاٰی اَنْ لَیْسَ لَھُمْ حَاجَۃٌ تُرِکُوْا [۳]

پروردگار! ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دیں تاکہ ہم تیری راہ میں دوسری بار قتل کئے جائیں، جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ ان کو کوئی حاجت نہیں تو انہیں چھوڑ دیا گیا۔

گویا ان کی یہ آرزو کہ دنیا میں واپس جائیں، لا یعبأ بہ کے درجے میں ہے۔ ناقابلِ التفات ہے، اسے کسی حساب و شمار میں نہیں لایا جاتا اور اس کا جواب دینے کی ضرورت بھی

---

[۱] جامع ترمذی ابواب فضائل الجہاد عن انسؓ [۲] نووی شرح صحیح مسلم، باب فضل الشہادۃ فی سبیل اللہ [۳] صحیح مسلم جلد ثانی باب بیان ان ارواح الشھداء فی الجنۃ وانھم احیاءٌ عند ربھم یرزقون۔

نہیں سمجھی جاتی۔

اَنْ تَرُدَّ اَرْوَاحَنَا فِی اَجْسَادِنَا آپ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں واپس لوٹا دیں تاکہ ہم تیری راہ میں پھر قتل کئے جائیں، یہ الفاظ صراحت سے اس حقیقت پر دلالت کرتے ہیں کہ شہید جو جنت میں زندہ ہے وہ اس کی روحانی زندگی ہے جسمانی زندگی نہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کی روحوں کو دنیا کے اندر ان کے جسموں میں واپس لوٹا دیں تاکہ وہ اپنے جسم کے ساتھ دوبارہ فی سبیل اللہ قتل ہوں۔

۴۶۔ ترمذی میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی اسی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:۔ اللہ تعالےٰ نے ان کی طرف جھانکا اور فرمایا۔

هَلْ تَسْتَزِيْدُوْنَ شَيْئًا فَاَزِيْدُكُمْ۔ کیا تم کوئی چیز مزید چاہتے ہو تاکہ میں تم کو مزید دوں۔

انہوں نے کہا اے ہمارے رب! ہمیں مزید کیا چاہیئے جبکہ ہم جنت میں جہاں سے چاہتے ہیں میوے کھاتے ہیں، اللہ تعالےٰ نے پھر ان کی طرف جھانک کر دوبارہ فرمایا، جب انہوں نے دیکھا کہ (بغیر کچھ مزید مانگے) انہیں چھوڑے جائیں گے، تو عرض کیا تعید اَرْوَاحَنَا فِی اَجْسَادِنَا کہ آپ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دیں۔

حَتّٰى نَرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا فَنُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِكَ مَرَّةً اُخْرٰى۔ ہٰذا حدیث حسن صحیح[1] تاکہ ہم دنیا کی طرف واپس جائیں اور تیری راہ میں دوبارہ قتل کئے جائیں۔ امام ترمذی کہتا ہے یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

کس قدر صراحت موجود ہے کہ آپ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دیں یہ ان کی تمنا ہے۔ جو پوری نہ ہوئی۔ واضح ہو گیا کہ حضرات شہداء کی روحیں نہ تو جنت سے واپس دنیا میں آئیں نہ عنصری جسموں میں داخل ہوئیں، لہٰذا ان کی حیات جنت میں روحانی حیات ہے۔

۴۷۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (میرے باپ کی شہادت پر مجھے غمگین دیکھ کر) فرمایا:۔ کیا میں تجھے اس بات کی بشارت نہ دوں جس کے ساتھ اللہ تعالےٰ تیرے باپ کے ساتھ پیش آئے۔ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ (ضرور دیجئے)

[1] جامع ترمذی، ابواب التفسیر (سورۂ آل عمران)

فرمایا :- اللہ تعالیٰ نے کسی سے ہرگز کلام نہیں فرمایا مگر پس پردہ ا

وَاَحْیٰی اَبَاكَ فَکَلَّمَهٗ کِفَاحًا فَقَالَ یَاعَبْدِیْ تَمَنَّ عَلَیَّ اُعْطِكَ قَالَ رَبِّ تُحْیِیْنِیْ فَاُقْتَلُ فِیْكَ ثَانِیَةً قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اِنَّهٗ قَدْ سَبَقَ مِنِّیْ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ قَالَ وَاُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْاٰیَةُ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا (الآیۃ) لہ

اور تیرے باپ کو زندہ کیا پس اس سے بالمشافہ بات کی۔ فرمایا :- اے میرے بندے! تو مجھ سے کوئی تمنا کر میں تجھے دوں گا، (تیرے باپ نے فرمانِ الٰہی کے جواب میں) عرض کیا، اے میرے رب! تو مجھے زندہ کر تاکہ میں تیری راہ میں دوبارہ قتل کیا جاؤں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا میری طرف سے یہ پہلے فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ (دوبارہ) واپس نہیں آئیں گے اور یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ ۔۔۔۔۔

ارشادِ نبوی میں اس بات کی صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جابرؓ کے شہید باپ کو زندہ کر دیا (وَاَحْیٰی اَبَاكَ) اس کے باوجود وہ تمنا کرتے ہیں کہ (یَارَبِّ تُحْیِیْنِیْ) اے رب مجھے زندہ فرمائیے، تاکہ میں تیری راہ میں دوبارہ قتل کیا جاؤں۔

صاف ظاہر ہے کہ وہ حیات جو اللہ تعالیٰ نے حضرت جابرؓ کے شہید باپ کو دی وہ روحانی حیات ہے، جنتی! اور حضرت عبد اللہؓ جو حیات طلب کر رہے ہیں، وہ دنیوی حیات ہے، جسمانی! یعنی میری روح کو میرے جسمِ عنصری میں واپس بھیج کر مجھے جسمانی طور پر زندہ کر دے تاکہ میں دنیا میں جا کر دوبارہ تیری راہ میں قتل کیا جاؤں۔

متعدد احادیثِ صحیحہ میں حضرات شہداء رضی اللہ عنہم اس جسمانی، دنیوی حیات کی استدعا کرتے ہیں کہ روح جسدِ عنصری میں واپس کی جائے۔ مگر یہ منظور نہیں کی جاتی، کیونکہ اللہ رب العزت فیصلہ فرما چکے ہیں کہ موت کے بعد دوبارہ دنیا میں کوئی لوٹ کر نہیں آئے گا۔

خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنے متعلق فرماتے ہیں :-

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوَدِدْتُّ اَنْ اُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلَ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلَ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلَ۔ (متفق علیہ) ۲؎

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں چاہتا ہوں کہ فی سبیل اللہ قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں

لہ جامع ترمذی جلد ۲ ابواب التفسیر (سورۂ آل عمران)، ۲؎ "مشکوٰۃ المصابیح" کتاب الجہاد

پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔

غور فرمائیے! اِدھر عام شہید نہیں نبی اللہ ہیں، پھر امام الانبیاءؐ ہیں، پھر ایک دفعہ شہید نہیں متعدد دفعہ، دو دفعہ نہیں، تین دفعہ شہید ہو کر بھی زندگی کی تمنا کرتے ہیں، مگر وہ زندگی نہیں ملتی، کیونکہ فیصلہ ربّی اور ارادہ الٰہی اس کے خلاف ہو چکا ہے۔

اُدھر، نبی اللہ تو افضل و اکرم و اشرف ہیں، شہید فی سبیل اللہ کے متعلق صاف ارشادِ قرآنی ہے کہ وہ زندہ ہے۔ بل احیاءٌ

ایک حقیقت! حیات روحانی ہے جسمانی نہیں!

تو یہ حقیقت بے غبار ہو کر سامنے آگئی کہ یہ حیاتِ شہداؓ اور نوعیت کی ہے۔ اور حضرات شہداؓ اور خود امام الانبیاءؐ جس حیات کی خواہش و تمنا فرما رہے ہیں وہ دوسری نوعیت کی!

پہلی حیات، وہ حیات ہے کہ اس کے ساتھ انسان آخرت اور جنت سے واپس دنیا میں نہیں آسکتا دوبارہ شہادت نہیں پا سکتا۔ فی سبیل اللہ قتل نہیں ہو سکتا۔ اور ظاہر ہے قتل جسم ہوتا ہے تو گویا پہلی حیات جو حضرات شہداء کو حاصل ہے وہ روحانی اور جنتی ہے۔ اور دوسری حیات جس کی حضرات شہداءؓ اور خود امام الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمنا ہے وہ دنیوی جسمانی حیات ہے۔ وفات سے پہلے والی زندگی!

قرآن کریم میں بظاہر تضاد و تعارض! اس اشکال کا حل!!

قرآنِ کریم کی ان آیات میں حضراتِ شہداء رضی اللہ عنہم کو مردہ کہنے کی ممانعت کر دی گئی ہے اور انہیں زندہ (احیاءٌ) فرمایا ہے۔

ادھر حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے موت کی صریح نص موجود ہے:۔

۱۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا گیا:۔

وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝ (پارہ ۱۶۔ مریم)	اور اس پر سلام ہے جس دن کہ پیدا ہوا۔ اور جس دن مرا، اور جس دن زندہ ہو کر اٹھے گا۔

۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے متعلق فرماتے ہیں:۔

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۝ (پارہ ۱۶۔ مریم)	اور میرے اوپر سلام ہے جس دن میں پیدا ہوا، اور جس دن مرا۔ اور جس دن زندہ ہو کر اٹھوں گا۔

پیدائش سے موت تک اور موت سے (قیامت میں) زندہ ہو کر اٹھنے تک ان حضرات پر سلامتی ہی سلامتی ہے۔ تو حضرات انبیاء علیہم السّلام پر موت کا اطلاق فرمایا گیا ہے اور مرنے کے بعد قیامت تک یہ میّت ہی میّت ہیں، پھر قیامت کے دن زندہ ہو کر اٹھائے جائیں گے تو حضرات انبیاء علیہم السّلام کو جن کی شان حضرات شہداء رض سے بدرجہا اعلےٰ وارفع وافضل ہے قیامت تک میّت قرار دیا گیا ہے اور حضرات شہداء رضی اللہ عنہم جن کی شان اور جن کا درجہ و مقام حضرات انبیاء علیہم السلام سے تیسرے نمبر پر ہے احیاء (زندہ) فرمایا گیا ہے اور انہیں اموات کہنے اور سمجھنے تک کی نہی و ممانعت کر دی گئی ہے۔

تو ان آیات اور احادیث میں بھی درحقیقت کوئی تعارض وتضاد نہیں، حضرات شہداء کے لئے جس حیات کا اثبات کیا گیا ہے وہ وہی جنتی روحانی حیات ہے، دنیوی جسمانی حیات سے مغائر! شہادت سے پہلے والی حیات مراد نہیں۔ اس حیات پر موت کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے جو موت ثابت ہے وہ دنیوی جسمانی موت ہے۔ اس پر حیات کا اطلاق ہو سکتا ہے، مگر دنیوی حیات سے مغائر، غیر کامل اور غیر مطلق حیات!

شہداء کا جسم | کتاب اللہ اور احادیثِ نبویہ صحیحہ متواترہ سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ شہید فی سبیل اللہ کا روح تو فوراً جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ رہا جسم! تو شہید کا جسم، روح اور جان کے بغیر رہ جاتا ہے، اسی لئے تو اسے جُثّہ کہا گیا ہے۔

علّامہ ابن عبدالبرّ اور شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ نے ایک عجیب ایمان افروز تاریخی واقعہ روایت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

جنگ اجنادین کے دن جب رومی پسپا ہوئے تو وہ ایک ایسی جگہ جمع ہو گئے جہاں کا راستہ ایسا تھا کہ اس میں سے صرف ایک آدمی گزر سکتا تھا۔ وہاں رومی لڑنے لگے۔ حضرت ہشام بن عاص آگے بڑھے اور رومیوں سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، اسی تنگ درہ میں ان کی نعش گر گئی اور راستہ بند ہو گیا، جب مسلمان مجاہدین وہاں پہنچے تو اس بات سے ڈر گئے کہ گھوڑے نعش کو روند ڈالیں (حضرت ہشام رض شہید کے بڑے بھائی) حضرت عمرو رض بن عاص نے فرمایا:۔

ایھا الناس ان اللہ قد استشھدہ ورفع روحہ الیہ وانما ھی جثۃ فاوطئوھا الخیل ثم اوطأہ ھو ثم تبعہ الناس حتٰی قطعوہ۔	اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے آپ کو شہادت عطا فرمائی، آپ کی روح کو (جنت کی طرف) اٹھا لیا، اور یہ تو صرف جُثّہ ہے تم اسے روندتے ہوئے گھوڑے بڑھاؤ۔

له ابن سعد رح نے بھی بالکل انہی الفاظ میں یہ واقعہ روایت کیا ہے ("شرح الصدور" ص ۸۳)

چنانچہ پہلے خود حضرت عمروؓ بن عاص نے (حضرت) ہشامؓ کی نعش کو کچلتے ہوئے گھوڑا بڑھایا پھر دوسرے لوگوں نے آپ کے پیچھے پیچھے گھوڑے بڑھائے۔ یہاں تک کہ نعش کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جب رومیوں کو شکست ہو گئی اور مسلمان مجاہدین واپس لوٹے تو حضرت عمروؓ اپنے بھائی کی نعش پر آئے اور اس کے گوشت کے بکھرے ہوئے ٹکڑے اس کے منتشر اعضاء اور اس کی بکھری ہوئی ہڈیاں جمع کرنے لگے پھر ان سب کو ایک چادر میں اٹھایا اور دفن کر دیا[۱]

روشن ترین مثالی کردار ایک مردِ مسلمان، مجاہدِ عظیم و جلیل، صحابیٔ رسول کا جسمِ اطہر راستے میں پڑا ہے۔ پورا لشکر ایک شہید فی سبیل اللہ کے جسد اطہر کو اپنے گھوڑوں کے پاؤں تلے روندڈالنے میں متامّل و متردّد ہے۔ مگر حضرت ہشامؓ شہید کے بڑے بھائی حضرت عمروؓ بن العاص ایک سیکنڈ کے لئے تردّد و تامّل نہیں کرتے، اپنے چھوٹے بھائی کے لاشے پر کھڑے ہو کر اپنے زیرِ کمان پورے لشکر کو حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

برادرِ شہید کی روح تو اعلیٰ علیّین میں پہنچ گئی، یہ تو محض ایک جثّہ ہے۔ بہادرو! اپنے گھوڑوں کے سموں سے اسے روندتے ہوئے آگے بڑھو اور آگے بڑھ کر دشمنوں کا صفایا کرو۔

یہ کہہ کر سب سے پہلے اپنا گھوڑا بڑھاتے ہیں۔ اور اپنے عزیز بھائی، چھوٹے بھائی کی نعش کو اپنے گھوڑے کے سموں سے کچلتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں پورا لشکر اپنے دلیر دل جرنیل کی اطاعت و اتباع کرتا ہے۔ اور دوسرے لمحے شہید فی سبیل اللہ کے وجودِ پاک کی تکا بوٹی ہو چکی ہوتی ہے۔

دشمن کو شکست فاش ہوتی ہے۔ اسلامی لشکر فتح کے علم لہراتا ہوا واپس ہوتا ہے تو مردِ غازی مجاہدِ کبیر حضرت عمروؓ بن العاص نے اپنے ہاتھ سے اپنے چھوٹے بھائی کی بوٹی بوٹی ہڈی ہڈی اکٹھی کی۔ جوڑ جوڑ بند بند جمع کیا۔ چادر میں رکھ کر گٹھڑی باندھی، اسے اٹھایا اور سپردِ خاک کر دیا۔ رضی اللہ عنہ وعنہما وعنہم اجمعین۔

کتنا لرزہ انگیز و تحیّر خیز مگر سبق آموز، جرأت آفریں اور ایمان افروز ہے یہ واقعہ!

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

---

[۱] استیعاب ترجمہ حضرت ہشامؓ۔ اصابہ جلد ۳ ص ۵۷۲ تذکرہ حضرت ہشامؓ

ایک اور روایت ملاحظہ ہو:۔

سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت پر جبکہ ان کا جثہ سولی پر تھا (جثتہ مصلوبتہ) ان کی والدہ محترمہ حضرت بی بی اسماءؓ بنت صدیقؓ سے حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ نے تعزیت کرتے ہوئے کہا:۔

لَا تَحْزَنِيْ فَاِنَّ الْاَرْوَاحَ عِنْدَ اللّٰهِ فِي السَّمَآءِ وَاِنَّمَا هٰذِهٖ جُثَّةٌ۔ ؎۱	آپ غم نہ کریں بلاشبہ (شہداء کی) ارواح عنداللہ آسمانوں میں ہیں اور یہ تو محض بے جان جثہ ہے۔

ابن ابی شیبہ اور ابن ابی الدنیا میں صفیہؓ بنت شیبہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے تعزیت کرتے ہوئے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے کہا:۔ یا ھٰذِہٖ اتّقی اللّٰہ واصبری فانّ ھٰذِہٖ الجثّۃ لَیْسَتْ بِشَيءٍ وانّما الارواح عند اللّٰہ ؎۲

جثہ:۔ ایک تو دونوں روایتوں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما ایسے جلیل القدر فقہا صحابہ کے اندازِ بیان و اسلوبِ خطاب سے بصراحت ثابت ہے کہ جثّہ جسدِ بے روح کو کہتے ہیں پھر لغت میں بھی جثہ کا اطلاق عموماً بے جان جسم پر ہوتا ہے۔

اَلْجُثَّۃُ، انسان کا بدن، اس کا زیادہ استعمال مردہ لاش کے لئے ہے ؎۳

جہاں حضرت ہشام بن عاص اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کی روحیں عنداللہ زندہ ہیں وہاں ان کے جسم اطہر بے روح اور بے جان ہیں گویا شہداء رحمہم اللہ کو روحانی ہفتی حیات حاصل ہے۔

بایں ہمہ:۔ شہید جسمانی طور پر بھی زندہ ہے۔ اسے مردہ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کو مردہ کہنے کی ممانعت ہے اور یہ حقیقت ہے کہ قتیل و شہید فی سبیل اللہ وجود اور جسم ہے۔ لہٰذا شہید کے وجود اور جسم کو مردہ نہیں کہہ سکتے۔ وہ زندہ ہے۔ ایک تو اکراماً، دوسرے جسم کے ساتھ روح کے تعلق ہونے کی وجہ سے۔ اور روح کا یہ تعلق ہر میت کے ساتھ ہے۔ تفصیل اگلے باب میں ملاحظہ ہو۔

؎۱ "شرح الصدور" مطبوعہ مصر باب مقر الارواح ص ۹۸ ؎۲ ایضاً ص ۸۳ ؎۳ المنجد عربی اردو



حیاتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

(ارواحِ طیبہ طاہرہ کا ابدانِ مقدسہ مبارکہ سے تعلق)

گذشتہ صفحات میں بحث ہو چکی ہے کہ حضرات شہداء فی سبیل اللہ زندہ ہیں بَلْ اَحْیَاءٌ کی نص صریح سے وہ فائز الحیاۃ ہیں۔

دلالۃ النص سے حیات انبیاء علیہم السلام ثابت ہے

جہاں عبارت النص سے حیات شہداء ثابت ہے وہاں دلالۃ النص[1] سے یہی حیات حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے ثابت ہے اور بطریق اولیٰ ثابت ہے کیونکہ باتفاق امت حضرات شہداء سے حضرات انبیاء علیہم السلام کا درجہ افضل و اعلےٰ ہے۔

جب مجرد ادنیٰ حضرات شہداء کے لئے نصِ قرآنی سے حیات ثابت ہے تو فرد اعلےٰ حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے علیٰ وجہ الکمال اور بدرجہ اتم حیات ثابت ہے۔ اور اس حیات میں سلف و خلف میں سے کسی کو بھی کوئی اختلاف نہیں حضرات صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ مقدسہ کا کسی نے بھی انکار نہیں کیا۔

حیاتِ انبیاءؑ، حیاتِ شہداءؒ سے افضل و اکمل اور اعلیٰ و اشرف ہے

حیات میں وحدت و مماثلت کے باوجود کیفیت میں حیاتِ انبیاءؑ حیاتِ شہداءؒ سے بدرجہا افضل و اکمل اور اعلےٰ و ارفع ہے۔ کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی شان و عظمت حضرات شہداء سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ اجلہ ائمہ دین نے یہی کیفیت و درجات میں فرق بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ امام ابن قیم رحمہ اللہ رقمطراز ہیں۔

---

[1] دلالۃ النص کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز عبارت النص میں مذکور و موجود ہو اور دوسری چیز اس مذکورہ چیز سے بدرجہ اولیٰ سمجھ میں آئے۔

قِيْلَ الْاَرْوَاحُ مُتَفَاوِتَةٌ فِي مُسْتَقَرِّهَا فِي الْبَرْزَخِ اَعْظَمُ تَفَاوُتٍ فَمِنْهَا اَرْوَاحٌ فِي اَعْلٰى عِلِّيِّيْنَ فِي الْمَلَاءِ الْاَعْلٰى وَهِيَ اَرْوَاحُ الْاَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِمْ ۔۔۔۔ وَمِنْهَا اَرْوَاحٌ فِي حَوَاصِلِ طَيْرٍ خُضْرٍ تَسْرَحُ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ وَهِيَ اَرْوَاحُ بَعْضِ الشُّهَدَاءِ۔۔۔۔۔ [1]

برزخ میں روحوں کے درجہ و مقام میں فرق ہے بہت بڑا فرق! ان میں سے بعض ارواح اعلیٰ علیین میں ہیں، ملاء اعلیٰ میں! اور وہ انبیاء علیہم السلام ہیں اور بعض ارواح سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں، جہاں سے چاہیں جنت کے میوے کھاتے ہیں۔ اور یہ بعض شہیدوں کی روحیں ہیں۔

خود نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے ارشاد گرامی سے یہ حقیقت واضح ہے کہ نبیٔ کریم کی حیات فی الجنۃ حیاتِ شہداء سے اعلیٰ و افضل ہے اور آپؐ کا مقام، مقام شہداء سے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔

صحیح بخاری کی حدیث میں ہے حضرت جبرئیل و میکائیل علیہما السلام نے آپؐ کو خواب میں اس عالم کی جو سیر کرائی تو اس میں دار اولیٰ عامۃ المومنین کا دکھایا گیا جو وسطِ شجرہ میں تھا۔ پھر اس سے بھی احسن و افضل دار شہداءؒ دکھایا گیا جو درخت کے اوپر تھا پھر درخت سے بہت بلند فضا میں بادل کی مثل ارفع منزل آپؐ کو دکھائی گئی اور آپؐ کو بتلایا گیا کہ ذالك منزلك یہ آپؐ کا مقام ہے۔ رواہ البخاری [2]

تو آپؐ کی حیات و منزل حضرات شہداء رحمہم اللہ سے بلند و بالا اور اعلیٰ و ارفع ہے۔ اس درجہ اعلیٰ و ارفع کہ دار شہداء میں کھڑے ہو کر آپؐ نے اسے دیکھا تو آپؐ کو سر مبارک اوپر اٹھا کر دیکھنا پڑا، پھر وہ آپؐ کو بادلوں کی مانند نظر آنے لگی۔

حیات انبیاءؑ اجماعی عقیدہ ہے

بہر حال حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات فی البرزخ اہلِ سنت کا اجماعی عقیدہ ہے، اس میں کسی کو اختلاف نہیں، چند مشاہیر و اکابر علماء امت کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

۱۔ محدث کبیر و شہیر امام بیہقی رحمہ اللہ۔

لَهُمْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ كَالشُّهَدَاءِ [3]

حضرات انبیاء علیہم السلام شہیدوں کی طرح عند اللہ زندہ ہیں۔

---

[1] کتاب الروح ص ۱۴۳ [2] مشکوٰۃ المصابیح کتاب الرؤیا باب ۳ [3] وفاء الوفاء للسمہودیؒ جلد ۲ ص ۴۰۶ مطبوعہ مصر

۴۲- شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ۔

وَهُمْ اَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ وَيُسْتَحَبُّ اِتْيَانُ قُبُوْرِهِمْ لِلسَّلَامِ عَلَيْهِمْ ۔ [1]

اور حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی قبروں پر آنا ان پر سلام کہنے کے لئے مستحب ہے۔

۴۳- علامہ تاج الدین سبکیؒ (متوفی ۷۷۱ھ)

وَمِنْ عَقَائِدِنَا اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ اَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ ۔ [2]

یہ ہمارے عقائد میں سے ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

۴۴- امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ)

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ هو وسائر الانبیاء معلومة عندنا علماً قطعیاً وتواترت به الاخبار ۔ [3]

قبر شریف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور سارے حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات مبارکہ ہمارے نزدیک قطعی ہے اور اس پر متواتر احادیث وارد ہیں۔

۴۵- امام بدر الدین جنہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے فتاوی کا اختصار کیا ہے۔

والانبیاء احیاء فی قبورهم وقد یصلّون ۔ [4]

حضرات انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

۴۶- علامہ سمہودی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ)۔

لا شك فی حیاته صلی اللہ علیه وسلم بعد وفاته وكذا سائر الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام اَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ ۔ [5]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حیاتِ مبارکہ میں کوئی شک وشبہ نہیں اور اسی طرح تمام حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں۔

قبور مبارکہ میں نماز پڑھتے ہیں

حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نہ صرف زندہ ہیں بلکہ قبور مبارکہ میں نماز بھی پڑھتے ہیں۔

---

[1] "قاعدہ فی المعجزات والکرامات" ص ۹۷ من مجموعہ رسائل ابن تیمیہؒ [2] "طبقات الشافعیہ" مطبوعہ مصر جلد ۶ ص ۲۶۶ (تسکین الصدور ص ۱۲۳) [3] "فتاوی امام سیوطیؒ" طبع مصر جلد ۲ ص ۱۴۷ [4] مختصر الفتاوی المصریۃ ص ۱۷۰ ("تسکین الصدور" ص ۱۲۸) [5] "وفاء الوفاء" للسمہودی جلد ۲ ص ۴۰۵

حضرت موسےٰ علیہ السلام

بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

مررت علیٰ موسیٰ لیلۃ اسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائمٌ یُصَلِّیْ فِیْ قَبْرِہٖ ۔ [1]

معراج کی رات میں سرخ ٹیلے کے قریب موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس سے گزرا، وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

جمیع انبیاء علیہم السلام

صرف حضرت موسےٰ علیہ السلام کا نماز پڑھنا ثابت نہیں۔ بلکہ بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا ہے:۔

الانبیاءُ احیاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ [2]

انبیاء کرام زندہ زندہ ہیں۔ اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔

ورواہ ابن عدی فی کاملہ ورواہ ابو یعلیٰ برجالٍ ثقات ورواہ البیہقی وصححہٗ [3]

اور ابن عدی نے اسے اپنی کامل میں روایت کیا ہے اور ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور روایت کے سارے راوی ثقہ ہیں اور بیہقی نے اسے روایت کیا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے یعنی اسے صحیح کہا ہے۔

احادیث میں بظاہر تضاد و تعارض! اس اشکال کا حل!!

جہاں ان احادیث پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا قبر میں زندہ ہونا اور نماز پڑھنا ثابت ہے۔ وہاں دوسری احادیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات کی نفی فرمائی گئی ہے۔

بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا۔ صلی اللہ علیہ وسلم،

ولو کان موسیٰ حیًّا ما وسعہٗ الا اتباعی ۔ رواہ احمد والبیہقی [4]

اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے بغیر چارہ نہ تھا۔

دوسری روایت میں ارشاد فرمایا:۔

ولو کان حیًّا وادرک نبوتی لاتبعنی ۔ رواہ الدارمی [5] درحقیقت دونوں قسم کی روایات

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ باب من فضائل موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ونسائی باب ذکر صلوٰۃ نبی اللہ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام [2] مسند ابی یعلےٰ، بیہقی ابن بزاز ابن عدی (مقام حیات ص ۱۱۸) [3] وفاء الوفاء جلد ۲ ص ۴۰۵ فصل بیان حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
[4] "مشکوٰۃ المصابیح" باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ [5] ایضاً

میں کوئی تضاد و تعارض نہیں، پہلی روایات میں جس زندگی کا اثبات کیا گیا ہے وہ قبر میں فی الجملہ زندگی ہے۔ نوع من الحیات ہے۔ جو جسم مبارک کے ساتھ روحِ اقدس کے ادنیٰ اتّصال و تعلق سے ثابت ہوجاتی ہے اور دوسری روایات میں جس حیات کی نفی فرمائی گئی ہے وہ حقیقی حیات ہے، حیاتِ کامل، جس کا تحقق روح کے دخول فی البدن کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ یہ حیات یا تو دنیا میں تھی یا قیامت میں ہوگی۔ عالمِ برزخ میں جسم کو جو حیات حاصل ہے وہ بھی ایک گونہ حیات ہے۔ غیر کامل، غیر مطلق! اور غیر حقیقی حیات! دنیوی حیات سے مغائر!

اجسامِ مبارکہ سے ارواحِ طیّبہ طاہرہ کا اتّصال و تعلّق

صحیح احادیث سے جمیع حضرات انبیاء علیہم السلام خصوصاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا اور نبیٔ کریمؐ کا اذان و اقامت سے نماز پڑھنا، آپؐ پر سلام پڑھنے والے کا سلام پیش ہونا پھر آپ کا سلام کا جواب دینا ثابت ہے۔

اب اس کی دو ہی صورتیں ہیں کہ صرف جسدِ اطہر یہ سارے کام کرتا ہے۔ روح کے بغیر! اور یہ بدیہی البطلان ہے۔ جسدِ بے روح سے کسی فعل کا صدور و ارتکاب ممکن نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ سارے روح کے وظائف ہیں۔ تو اس صورت میں ایک تو روح حظیرۂ قدس رفیق اعلیٰ میں ہے۔ دوسرے پھران اعمال کے ظہور و صدور کے ساتھ قبر اور جہات کے ذکر و قید کی کیا ضرورت ہے؟ تو یہ وظائف و اعمال نہ مطلق جسدِ بے جان سے صادر ہو رہے اور نہ ہی مطلق روح بے جسد سے! باقی رہی یہ صورت کہ روحِ الانور کا بدنِ اطہر سے تعلّق ہو، اس صورت میں یہ اعمال ممکن ہیں، اور یہی صورت حق ہے اور ائمہ دین نے اسی کا اثبات فرمایا ہے۔

۱۔ امام ربّانی قطب الاقطاب شیخ المشائخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح عمدۃ المحدثین حضرت

مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم رقم فرماتے ہیں:۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتیٔ اعظم دار العلوم (دیوبند) نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت گنگوہی قدس سرہٗ سے ایک میّت الآیۃ کے اشکال کا جو جواب نقل کیا ہے وہ تو حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کی تعبیر سے

بھی اونچا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ :۔ موت سب کو شامل ہے مگر انبیاء کرام کی ارواح مشاہدۂ جمال و جلالِ حق تعالیٰ شانہٗ و تقابلِ آفتابِ وجود باری تعالیٰ سے اس درجہ پر پہنچ جاتی ہیں کہ اجزاء بدن پر ان کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تمام بدن حکمِ روح پیدا کر لیتا ہے اور تمام جسم ان کا عینِ اور اک اور عینِ حیات ہو جاتا ہے ۔ اور یہ حیات دوسری قسم کی ہوتی ہے اور اس تحقیق سے نقطہ انّ اللہ حرّم علی الارضِ ان تاکل اجساد الانبیاء بھی ظاہر ہو جاتا ہے [۱]

۲:۔ قاسم العلوم والخیرات بانیٔ دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ۔

بہر حال ارواحِ انبیاء کرام کو بدستور اپنے ابدان کے ساتھ تعلق رہتا ہے [۲]

۳:۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ :۔

انبیاء علیہم السلام کی ارواحِ طیبہ کو بعد مرگ بھی قریب قریب وہی تعلق اپنے اجسام سے رہتا ہے جو قبل از مرگ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اجساد مثل اجسام احیاء کے پھولتے پھٹتے نہیں، چنانچہ احادیث میں موجود ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کی ازواج مثل ازواج احیاء اوروں سے نکاح کرنے کا اختیار نہیں رکھتیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کے اموال کو مثل احیاء ان کے وارث تقسیم نہیں کر سکتے [۳]

قریباً یہی الفاظ حضرت قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ سے جمال قاسمی ص ۱۱ پر منقول ہیں، غالباً حضرت حکیم الامت آپ سے لئے ہیں۔

۴:۔ امام المجاہدین، شیخ الاسلام والمسلمین، استاذ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ اسرارہم :۔

محمد بن عبد الوہاب اور اس کے فرقہ سے ان حضرات (علمائے دیوبند) کو دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ وہ وفات ظاہری کے بعد انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ جسمانی اور بقائے "علاقہ بین الروح والجسم" کے منکر ہیں، اور یہ حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں بلکہ مثبت بھی ہیں [۴]

۵:۔ رئیس المحدثین رأس الاتقیا حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور :۔

اجساد انبیاء کرام علیہم السلام میں ایک خاص نوع کی حیات ہے یہ ظاہر ہے کہ حیات تو

---

[۱] "مقامِ حیات" از علامہ خالد محمود ص ۲۶۲/۲۶۳ [۲] "جمالِ قاسمی" ص ۱۲، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی [۳] "المصالح العقلیہ" حصہ سوم ص ۲۱۱
[۴] "نقشِ حیات" از حضرت مدنی ص ۱۲۰ بحث رسالہ "حسام الحرمین" کی حقیقت

روح ہی کے تعلق سے ہوتی ہے بغیر تعلق روح کے حیات کا کیا مطلب ؟ [۱]

۶ :- شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ :-

حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی ہے اور ارواح طیبہ کا اجسام مبارکہ سے تعلق قائم ہے۔ [۲]

ارواحِ طیبہ کے اجسام مبارکہ سے تعلق ہی کا نام حیات ہے

ان حضرات کے ارشادات سے یہ حقیقت بھی بے غبار ہو کر سامنے آگئی کہ نہ صرف ارواح طیبہ طاہرہ کا اجسامِ مقدسہ مبارکہ کے ساتھ تعلق ہے، بلکہ ارواحِ پاک کے اجسامِ مبارکہ سے اسی تعلق ہی کو حیات سے تعبیر کیا گیا ہے تعلقِ روح بالجسد کا نام حیات ہے۔

کیا رُوح کا وجود سے اتّصال و تعلّق ممکن ہے ؟

ایک بزرگ صاحبِ علم تو اسے نہیں مانتے ان کی منطق یہ ہے کہ :-

"اگر روح ملاء اعلیٰ میں رہ کر بدن کے ساتھ بھی اتّصالی یا دخولی تعلق قائم رکھ سکتی ہے تو اس کی نظر کی وسعت ساری دنیا پر برابر ہونے سے کون سا امر مانع ہے...... آپ کا قول قرآن کی کس صریح آیت سے ثابت ہے یا کون سی حدیث آپ کی حجتِ ناطقہ ہے۔ جس میں یہ ثابت ہو کہ روح تو ملاء اعلےٰ یا علیّین یا سجّین میں رہتی ہے مگر اس کا تعلق جسدِ عنصری کے ساتھ بھی بدستور قائم رہتا ہے"۔
("نداے حق"، ص ۲۴۴)

اب اجلّہ علماء امت و ائمۂ دین رحمہم اللہ کے ارشادات ملاحظہ ہوں :-

۱ :- حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ :-

حضرت قدس سرہٗ نے اس موضوع پر کئی صفحے مفصّل و مدلّل بحث فرمائی ہے، جس کی افادیت کے پیشِ نظر ہم سب سے اوّل آپ کے ارشادات پیش کرتے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں :-

بلا شبہ مرنے کے بعد اجزائے بدن سے بھی روح کا تعلق رہتا ہے۔ گو نیکوں کی روحیں علیّین میں ہوتی ہیں اور بدوں کی سجّین میں، لیکن روحوں کا روحانی تعلق ابدان کے ذرّات کے ساتھ رہنا

---

[۱] "مقام حیات"، ص ۲۶۰ [۲] "سیرۃ المصطفیٰ"، جلد ۳، ص ۲۸۴

ضروری ہے، خواہ کسی کو قبر میں دفن کریں، خواہ جلادیں، خواہ ڈوب جائے۔ ذرّے ذرّے کے ساتھ روح کا تعلق (بالاتر از فہم) رہتا ہے، اس کی نظیر تار برقی ہے۔ تار برقی کا تعلق دیکھئے کہاں سے کہاں تک پہنچتا ہے۔ ایسا ہی روح کا تعلق باوجود علّیین و سجّین کے تعلق کے بدن کے ساتھ بھی ہے اور ضرور ہے۔ مگر اس دنیا کی آنکھیں محسوس نہیں کرسکتیں......

جو آدمی ان قویٰ سے کام لے جن سے کشفِ قبور ہوتا ہے تو وہ ان تعلّقات کو دیکھ سکتا ہے۔ جس طرح آفتاب کے چڑھنے میں ایک اندھے کے انکار سے فرق نہیں آسکتا، اور ایک مسلوب العقل کے طریقِ استدلال سے فائدہ نہ اٹھانے سے اس کا ابطال نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کشفی آنکھ نہیں رکھتا تو وہ اس تعلق روح کو کیونکر دیکھ سکتا ہے، پس اس کے انکار سے محض اس لئے کہ وہ نہیں دیکھ سکتا، اس کا انکار جائز نہیں........

قبور کے ساتھ تعلق ارواح کے دیکھنے کے لئے کشفی حس کی ضرورت ہے اگر کوئی فاقد الکشف اس تعلق کی نسبت یہ کہے کہ یہ ٹھیک نہیں تو وہ غلط کہتا ہے.....

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ایک کثیر تعداد اور کروڑوں اولیاء و صلحاء کا سلسلہ دنیا میں گزرا ہے اور مجاہدات کرنے والے بے شمار لوگ ہوگزرے ہیں وہ سب اس امر کی زندہ شہادت ہیں گو اس (قبر میں روح اور جسم) کے تعلقات کی کیفیت ہم معلوم کرسکیں یہ نہ کرسکیں مگر نفس تعلق سے انکار نہیں ہوسکتا۔ غرض کشفی دلائل ان ساری باتوں کا فیصلہ کئے دیتے ہیں گو عقل ادراک نہ سکے۔ جیسے کان اگرچہ دیکھ نہ سکیں تو ان کا کیا قصور ہے وہ اور قوت (آنکھ) کا کام ہے۔ غرض روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے،...... لیکن صرف محسوس نہ ہونے کے سبب کسی امر کا انکار صریحاً عقل کی بدہضمی ہے۔[1]

۲۱۔ علمِ کلام کے مشہور محقق، پانچویں صدی کے معروف امام علّامہ ابوالشکور السالمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فاذا کان الروح متّصلاً بالشخص سواء کان عظماً اولحماً اوترابا فانہ یتألم[2]	جب روح کا بدن سے اتّصال ثابت ہے تو بدن کو بھی دکھ درد پہنچے گا خواہ ہڈی ہو یا گوشت ہو خواہ مٹی ہوگیا ہو۔

۲۲۔ علّامہ بدرالدین رمتوفی ۸۵۵ھ)

---

[1] "المصالح العقلیہ" حصہ سوم ص ۳۲۶ تا ۳۲۸ [2] "تمہید" ص ۱۲۵ مطبوعہ لاہور
("تسکین الصدور" ص ۸۲)

وَفِي الصِّحَاحِ اَنَّهَا تُرَدُّ اِلَيْهِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَيُسْئَالُ وَتُرَدُّ فَتَكُوْنُ مُتَّصِلَةً بِالْبَدَنِ بِلَا رَيْبٍ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ؎۱

صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ روح موت کے بعد بدن کی طرف لوٹائی جاتی ہے اس سے سوال ہوتا ہے اور پھر واپس کردی جاتی ہے مگر بلاشک وشبہ روح بدن سے متصل رہتی ہے۔ واللہ اعلم۔

۴:- شیخ الاسلام حافظ امام ابن حجر رحمہ اللہ (م ۸۵۲ھ)

وقال الحافظ ابن حجر فی فتاواہ ارواح المومنین فی علیین وارواح الکفار فی سجین ولکل روح بجسدها اتصال معنوی لا یشبه الاتصال فی الحیوۃ الدنیا ؎۲

حافظ ابن حجرؒ نے اپنے فتاویٰ میں کہا کہ مومنین کی روحیں علیین میں ہیں اور کفار کی روحیں سجین میں ہیں اور ہر روح کو اس کے جسم کے ساتھ اتصالِ معنوی ہے، جو دنیوی زندگی میں اتصال کے مشابہ نہیں۔

۵:- الامام العلامہ حافظ العصر حضرت جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) تحریر فرماتے ہیں:-

فانّ العرض علی الجسد وللروح به اتصالٌ ..... فانه یسلم علی قبور الانبیاء والشهداء وارواحهم فی اعلیٰ علیین ولکن لها مع ذٰلِكَ اتصالٌ سَرِیعٌ بِالْجَسَدِ وَلَا یَعْلَمُ کنهه ذٰلک وکیفیته علی الحقیقة الا الله عزوجل ویشهد لذٰلک الاحادیث المرویة فی ان النائم یَعْرُجُ بِرُوْحِهٖ اِلَی الْعَرْشِ هٰذا مع تعلقها ببدنه وسرعة عودها الیه عند استیقاظه فارواح الموتی المتجردة عن ابدانهم اولی بعروجها الی السماء وعودها الی القبر فی مثل ذٰلک السرعة ؎۳

بیشک (جنت یا دوزخ میں ٹھکانا میت پر) پیش کرنا جسم پر ہے اور روح کو جسم سے اتصال ہے..... بلاشبہ حضرات انبیاءؑ وشہداءؓ کی قبروں پر سلام کہا جاتا ہے حالانکہ ان کی روحیں اعلیٰ علیین میں ہیں لیکن معہٰذا ان روحوں کا جسم کے ساتھ سریع اتصال ہے، جس کی حقیقت وکیفیت سوائے اللہ عزوجل کے کوئی نہیں جانتا اور اس پر احادیث شاہد ہیں جن میں روایت ہے کہ نائم کی روح عرش کی طرف چڑھتی ہے اور یہ روح کے بدن کے ساتھ تعلق اور بیداری کے وقت جسم کی طرف بسرعت لوٹ آنے کی وجہ سے ہے۔ (جب نائم کی روح آسمان کی طرف جاتی ہے اور واپس آجاتی ہے تو) پس فوت شدگان کی روحیں جو بدن سے بالکل الگ ہوگئی ہیں بدرجۂ اولیٰ آسمان کی طرف چڑھیں گی اور اسی طرح بسرعت تمام قبر کی طرف لوٹ آئیں گی۔

؎۱ "مختصر الفتاویٰ" مصریہ ص ۱۹۰ ؎۲ "تسکین" ص ۶۹ ؎۳ "شرح الصدور" از علامہ جلال الدین سیوطیؒ ص ۱۰۲
؎۳ "شرح الصدور" ص ۱۰۵

حضرت علامہ رحمہ اللہ روح کے جسم کے ساتھ تعلق اور سرعت سیر کو احادیث سے ثابت کر رہے ہیں جن میں نائم کی روح کے اوپر عرش کو جانے اور بیداری کے وقت بسرعت واپس آجانے کا ذکر ہے۔

۲۶۔ محدث جلیل و فقیہ شہیر حضرت ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) رحمہ اللہ :۔

وَإِعَادَةُ الرُّوحِ أَيْ رَدُّهَا أَوْ تَعَلُّقُهَا إِلَى الْعَبْدِ أَيْ جَسَدِهِ ..... فِي قَبْرِهِ حَقٌّ [۱]	اور روح کا لوٹانا یعنی اس کا پھیرنا یا اس کا تعلق بندے کی طرف یعنی قبر میں اس کے جسم کی طرف حق ہے۔

۲۔ ایک جگہ آپ لکھتے ہیں کہ :۔

أَلَا تَرَى أَنَّ النَّائِمَ يَخْرُجُ رُوحُهُ وَيَكُونُ رُوحُهُ مُتَّصِلًا بِجَسَدِهِ حَتَّى يَتَأَلَّمَ فِي الْمَنَامِ وَيَتَنَعَّمَ [۲]	کیا تو نہیں دیکھتا کہ نائم کی روح مگر اس کے جسم سے متصل رہتی جس سے وہ نیند میں عذاب و آرام محسوس کرتا ہے۔

تو میت کو نائم پر قیاس کر لو۔ جب نائم کی روح نکل جانے کے بعد بدن سے اتصال رکھ سکتی ہے تو میت کی روح کا اتصال کیوں ممکن نہیں؟

۲۷۔ خاتم المفسرین امام المحدثین بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) رحمہ اللہ

إِنَّ مَقَرَّ أَرْوَاحِ الْمُؤْمِنِينَ فِي عِلِّيِّينَ ..... وَمَقَرَّ أَرْوَاحِ الْكُفَّارِ فِي سِجِّينٍ وَمَعَ ذَلِكَ لِكُلِّ رُوحٍ مِنْهَا اتِّصَالٌ بِجَسَدِهِ فِي قَبْرِهِ لَا يُدْرِكُ كُنْهَهُ إِلَّا اللَّهُ تَعَالَى [۳]	مومنین کے روح کا مقام علیین اور کافروں کے روح کا مقام سجین ہے۔ بایں ہمہ ہر روح کا قبر میں جسم کے ساتھ اتصال ہے۔ جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

۲۸۔ امام العصر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۲۳۹ھ) :۔

۱۔ در قبر ..... بسبب انعکاس اشعۂ روح بر بدن تعلق پیدا می شود [۴]	قبر میں ..... بدن پر روح کی شعاؤں کے عکس ڈالنے کے سبب بدن سے روح کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔
۲۔ ومقام علیین بالائے ہفت آسمان ست	علیین ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے .....

---

[۱] "شرح فقہ اکبر" مطبوعہ مصر ص ۹۰ [۲] ایضاً ص ۹۱ [۳] "تفسیر مظہری" پارہ ۳۰ سورۃ التطفیف [۴] "تحفہ اثنا عشریہ" ص ۳۲۸ شائع کردہ منشی نولکشور لکھنوی

ارواحِ نیکاں بعد از قبض درآنجا میرسند و مقربان یعنی انبیاء و اولیاء در آں مستقر مے مانند و عوام صلحاء را حسب مراتب..... قرار مے دہند، و تعلقے بقبر نیز ایں ارواح را مے باشد کہ بحضور زیارت کنندگان و اقارب و دیگر دوستاں بر قبر مُطّلع و مُستانِس میگردند، زیرا کہ روح را قرب و بعد مکانی مانع ایں دریافت نمے شود و مثالِ آں در وجودِ انسانی روح بصر ہست کہ ستارہ ہائے ہفت آسمان را درونِ چاہ مے تواند دید[1]

نیکوں کی روحیں قبض ہونے کے بعد وہاں پہنچتی ہیں۔ اور مقربین یعنی حضرات انبیاءؑ و اولیاءؒ کی روحیں وہیں مقیم رہتی ہیں اور عام صلحاء کی روحوں کو حسبِ مراتب جگہ دیتے ہیں۔ اور ان ارواح کو قبر سے بھی تعلق رہتا ہے کہ قبر پر زیارت کرنے والوں اقرباء اور دیگر دوستوں کے آنے پر مطلع اور مانوس ہوتے ہیں۔ کیونکہ روح کو قُرب اور بُعد مکانی اس دریافت کو مانع نہیں ہوتا اور اس کی مثال انسان کے وجود میں روح بصری ہے کہ ساتوں آسمانوں کے ستاروں کو کنوئیں کے اندر سے دیکھ سکتی ہے۔

۷۹۔ مفسرِ قرآن حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمہ اللہ:۔

مجھے تو حضرت رحمہ اللہ کی موضح القرآن میں یہ مضمون نہیں ملا۔ البتہ فاضل مصنف "اقامۃ البرہان" لکھتے ہیں:۔

مفسرِ قرآن حضرت مولانا شاہ عبدالقادر دہلویؒ اس آیت کے فوائد میں لکھتے ہیں:۔

"علّیین ایک مکان کا نام ہے..... اللہ تعالیٰ کے مقربوں کی روح وہاں پہنچتی ہے اور رہتی ہے۔ اور ایک طرح کا علاقہ قبر سے بھی اس کو رہتا ہے[2]

۸۰۔ عمدۃ المحققین بحر العلوم حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب پرہاروی (م ۱۲۴۰ھ)

واما ادراك الالم واللذة فيمكن ان يحصل بادنى تعلق للروح بالبدن سواء كان الروح فوق السماء السابعة او محبوسا فی سجين وشبهوا هذا التعلق بوقوع شعاع الشمس من السماء الرابعة على الارض[3]

اور دُکھ سُکھ کا ادراک اسو وہ روح کے بدن کے ساتھ ادنیٰ تعلق سے بھی حاصل ہو سکتا ہے خواہ روح ساتویں آسمان سے اوپر ہو خواہ سجین میں مقید ہو۔ اور اس تعلق کو چوتھے آسمان سے سورج کی شعاع کے زمین پر پڑنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

---

[1] تفسیر عزیزی "فتح العزیز" پارہ ۳۰ سورہ التطفیف [2] "اقامۃ البرہان" ص ۱۴۶ [3] نبراس شرح شرح العقائد ص ۲۲

صرف انہی اکابرامت و عمائد ملت پر بس نہیں بلکہ خاتم المفسرین حضرت علامہ سید محمود آلوسی مصری نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر میں محققین علماء سے یہی نقل کیا ہے۔ رقمطراز ہیں:۔

۱۱:۔ وَعَوَّلَ بَعْضُ الْمُحَقِّقِيْنَ عَلٰى اَنَّ الْاَرْوَاحَ حَيْثُ كَانَتْ لَهَا اِتِّصَالٌ لَا يَعْلَمُ حَقِيْقَتَهٗ اِلَّا اللّٰهُ تَعَالٰى ۱؎

بعض محققین نے اس پر اعتماد کیا ہے کہ روح جہاں بھی ہوں ان کا اجسام کے ساتھ اتصال ہے جس کی حقیقت اللہ تعالٰے کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

۱۲:۔ خود حضرت علامہ آلوسی رحمہ اللہ (م ۱۲۷۰ھ) کا اپنا مسلک بھی یہی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

لَهَا اِشْرَاقٌ عَلٰى قُبُوْرِهَا وَهِيَ فِيْ مَقَرِّهَا فَهُوَ حَقٌّ ۲؎

روحیں اپنی اپنی جگہ میں رہتے ہوئے قبروں پر روشنی ڈالتی ہیں اور یہ حق ہے۔

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:۔

ثُمَّ اِعْلَمْ اَنَّ اِتِّصَالَ الرُّوْحِ بِالْبَدَنِ لَا يَخْتَصُّ بِجُزْءٍ دُوْنَ جُزْءٍ بَلْ هِيَ مُتَّصِلَةٌ مُشْرِقَةٌ عَلٰى سَائِرِ اَجْزَائِهٖ..... ۳؎

پھر تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ بدن کے ساتھ روح کا اتصال کسی ایک جزء کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ روح تمام بدن سے متصل ہے اور بدن کے سارے اجزاء پر روشنی ڈالنے والی ہے۔

امام یافعیؒ تو اسے اہل السنۃ کا مذہب قرار دیتے ہیں:۔

علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں:۔

قال الیافعیؒ مذھب اھل السنۃ انّ ارواح الموتٰی تردّ فی بَعْضِ الْاَوْقَاتِ مِنْ علّیّین او من سجّین الی اَجْسَادِھِمْ فِیْ قُبُوْرِھِمْ عِنْدَ ارادۃ اللہ تعالٰی ۴؎

(امام) یافعیؒ نے کہا کہ اہلِ سنّت کا مذہب یہ ہے کہ مردوں کی روحوں کو بعض اوقات علّیّین یا سجّین سے قبروں میں ان کے بدنوں کے پاس بھیج دیا جاتا ہے، جب اللہ تعالٰے چاہے۔

۱۳:۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ (م ۷۵۱ھ):۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا ارشاد، ہم نے اس ارشاد کی تفصیل و اہمیت وافادیت کے پیشِ نظر (سن وسال کی ترتیب کو نظر انداز کرتے ہوئے) سب سے اوّل درج

۱؎ تفسیر "روح المعانی" پارہ ۱۵ ۲؎ ایضاً تفسیر آیت قل الروح۔۔۔۔۔۔ ۳؎ روح المعانی" تفسیر سورۃ

کیا، اسی طرح حضرت امام ابن قیم رحمہ اللہ کے ارشادات بھی، ان کی تفصیل وافادیت کے مدِ نظر آخر میں پیش کرتے ہیں ——— رقمطراز ہیں :-

۱۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسےٰؑ کو شبِ معراج میں دیکھا کہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

فالروح کانت هناك ولها اتصالٌ بالبدن فی القبر واشرافٌ علیه وتعلّقٌ به بحیث یُصَلّی فی قبرہ ویرد سلام من سَلَّمَ عَلَیهِ وَهِیَ فی الرفیق الاعلیٰ۔

پس ان کی روح تو رفیقِ اعلیٰ میں تھی اور اس کا قبر کے اندر بدن سے اتصال و بدن پر اشراف اور بدن کے ساتھ تعلق تھا جس کی وجہ سے آپ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے اور جو آپ پر سلام کہے اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں، حالانکہ روح رفیقِ اعلےٰ میں ہے۔

ولا تنافی بین الامرین فان شان الارواح غیر شان الابدان ..... ولیس نزول الروح وصعودها وقربها وبُعدِهَا مِنْ جنس ما للبدن فانها تَصعِدُ اِلیٰ مَا فَوقَ السَّمٰواتِ ثُمَّ تَهبِطُ اِلیَ الْاَرْضِ مَا بَیْنَ قبضها۔ وکذلك صعودها وعَودهَا اِلیٰ اَلبَدَنِ فی النوم والیقظة وقد مثلها بَعْضُهُم بِالشَّمْسِ وَشُعَاعِهَا فَاِنَّهَا فی السَّمَا وَشُعَاعِهَا فِی الْاَرْضِ [1]

ان دو امور میں کوئی منافات نہیں کیونکہ بلاشبہ ارواح کی شان ابدان کی شان کے مغائر ہے ..... روح کا نیچے، اوپر جانا، قریب ہونا اور دور ہونا بدن کے نزول و صعود اور قرب و بعد کی طرح نہیں بیشک روح آسمانوں سے اوپر پڑھتی ہے پھر زمین کی طرف اترتی ہے۔ قبض ہونے کی صورت میں اور اسی طرح اس کا نیند میں آسمانوں کی طرف پڑھنا اور بیداری میں بدن کی طرف لوٹ آنا، بعض نے اس کی مثال سورج اور اس کی شعاع سے دی ہے۔ کہ سورج آسمان میں ہے اور اس کی شعاع زمین میں ہے۔

ایک اور مقام پر حضرت امامؒ اور زیادہ شرح و بسط کے ساتھ بیان فرماتے ہیں فرماتے ہیں :-

۲۔ وقد بیّنا ان عرض مقعد المیت علیه من الجنة اذ النار لا یدُلُّ عَلیٰ اَنَّ الرُّوحَ فی القبر دائماً من جمیع الوجوه بل

اور ہم نے بیان کیا کہ میت پر جنت یا دوزخ میں سے اس کا ٹھکانا پیش کرنا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ روح من کل الوجوہ ہمیشہ قبر میں ہے

---

[1] "کتاب الروح" ص ۵۴ / ۵۵

لها اشراف واتصال بالقبر وذلك القدر منها يعرض عليه مقعده فان للروح شأنا آخر تكون في الرفيق الاعلى في اعلى عليين ولها اتصال بالبدن بحيث اذا سلم المسلم على الميت رد الله عليه روحه فيرد عليه السلام وهي في الملا الاعلى وانما يغلط اكثر الناس في هذا الموضع حيث يعتقد ان الروح من جنس ما يعهد من الاجسام التي اذا شغلت مكانا لم يمكن ان تكون في غيره وهذا غلط محض بل الروح تكون فوق السموات في اعلى عليين وترد الى القبر فترد السلام وتعلم بالمسلم وهي في مكانها هناك وروح رسول الله صلى الله عليه وسلم في الرفيق الاعلى دائما ويردها الله سبحانه الى القبر فترد السلام على من سلم عليه وسمع كلامه وقد رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم موسى قائما يصلي في قبره ورآه في السماء السادسة او السابعة فاما ان تكون سريعة الحركة والانتقال كلمح البصر واما ان يكون المتصل منها بالقبر بمنزلة شعاع الشمس وجرمها في السماء[1]

بلکہ روح کو قبر پر جھانکنا یا قبر کے ساتھ اتصال ہے اور روح کے اسی قدر تعلق سے مردہ پر اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے کیونکہ بالتحقیق روح کی شان دوسری ہے۔ یہ روح رفیق اعلیٰ، علیین میں ہوتی ہے اور اسے بدن کے ساتھ اس قسم کا اتصال ہوتا ہے کہ جب سلام کرنے والا میت پر سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر روح کو واپس کرتا ہے اور وہ اس سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیتا ہے حالانکہ روح ملاء اعلیٰ میں ہوتی ہے اور اکثر لوگوں کو اس موقع پر مغالطہ ہوا ہے کہ وہ روح کو اجسام کی جنس میں سے خیال کرتے ہیں جو ایک جگہ کسی کام میں مشغول ہو تو اس کا دوسری جگہ ہونا ممکن نہیں اور یہ بالکل غلط ہے (بخلاف اس کے) روح کا تو یہ حال ہے کہ یہ آسمانوں سے اوپر اعلیٰ علیین میں ہوتی ہے اور قبر کی طرف لوٹ آتی ہے اور سلام کرنے والے کو پہچانتی ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتی ہے۔ اور یہ اپنے مکان میں اعلیٰ علیین میں بھی رہتی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس رفیق اعلیٰ میں موجود ہے اور اللہ سبحانہ اسے قبر کی طرف لوٹا دیتا ہے اور وہ سلام کرنے والے کی آواز سنتی ہے اور سلام کا جواب دیتی ہے اور بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (شب معراج) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں

[1] "کتاب الروح" ص ۱۲۵

نماز پڑھتے دیکھا اور (اسی رات) انہیں چھٹے یا ساتویں آسمان میں بھی دیکھا، یا توان کی روح آنکھ جھپکنے کی دیر میں بسرعت تمام علیین سے قبر میں اور (قبر سے آسمان پر) منتقل ہوگئی یا روح جسم موسیٰ سے قبر میں متصل تھی، اور (خود علیین میں تھی) جیسے سورج کی شعاع کہ اس کا اصل جسم آسمان میں ہے (مگر شعاع زمین پر پڑ رہی ہے)

امام ابن قیم رحمہ اللہ کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ خیال محض غلط ہے کہ روح بھی جسم کی طرح ایک مکان میں ہوتی ہے اور اسی وقت دوسری جگہ نہیں ہوتی حضرت امام کہتے ہیں اکثر لوگ اسی مغالطہ کا شکار ہیں حالانکہ روح کی شان دوسری ہے۔ یہ ایک ہی وقت میں اعلیٰ علیین میں فوق السماء ہوتی ہے اور اسی وقت قبر کی طرف لوٹ آتی ہے، یا تو سریع الحرکت، سریع السیر ہے کہ پلک جھپکنے میں فوق السماء سے قبر تک آجاتی ہے اور پھر فوراً چشم زدن میں اپنے مقام مستقر کو منتقل ہو جاتی ہے یا اپنے محل ومقر پر رہتے ہوئے اسے قبر سے اتصال وتعلق ہے، جیسے شعاع شمس! کہ شمس کا اصل وجود تو آسمان میں ہے لیکن شعاعیں زمین پر پڑتی ہیں۔

بہر حال کوئی شکل ہو روح کا اپنے مستقل ٹھکانہ پر رہتے ہوئے قبر میں میت کے ساتھ تعلق ضرور ہے۔

پھر امام اپنے اس خیال —— روح کے سریع الحرکت وسریع السیر ہونے کی تصدیق وتائید میں تحریر فرماتے ہیں:۔

وَقَدْ ثَبَتَ اَنَّ رُوحَ النَّائِمِ تَصْعَدُ حَتّٰی تَخْتَرِقَ السَّبْعَ الطِّبَاقَ وَتَسْجُدُ لِلّٰهِ بَيْنَ يَدَيِ الْعَرْشِ ثُمَّ تُرَدُّ اِلَى جَسَدِهٖ فِي اَيْسَرِ زَمَانٍ وَكَذٰلِكَ رُوحُ الْمَيِّتِ تَصْعَدُ بِهَا الْمَلٰئِكَةُ حَتّٰی تُجَاوِزَ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَتَقِفُهَا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ فَتَسْجُدُ لَهٗ [1]

اور بیشک یہ بات (آثار واحادیث سے) ثابت ہو چکی ہے کہ نائم کی روح چڑھتی ہے حتیٰ کہ ساتوں آسمانوں سے گزر کر عرش کے سامنے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے پھر فوراً اپنے جسم کی طرف لوٹ آتی ہے۔ اور اسی طرح میت کی روح! کہ ملائکہ اسے لے کر چڑھتے ہیں حتیٰ کہ ساتوں آسمانوں سے نکل کر اللہ تعالیٰ کے سامنے ٹھہرتے ہیں اور روح اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

---

[1] "کتاب الروح" ص ۱۲۵

نیند کے وقت روح عرش کو جاتی ہے

حضرت امامؒ ہی ایک مقام پر لکھتے ہیں :-

وَقَدْ تَظَاهَرَتِ الْآثَارُ عَنِ الصَّحَابَةِ أَنَّ رُوْحَ الْمُؤْمِنِ تَسْجُدُ بَيْنَ يَدَيِ الْعَرْشِ فِيْ وَفَاةِ النَّوْمِ وَوَفَاةِ الْمَوْتِ [1]

بیشک صحابہ کرامؓ سے آثار ثابت ہیں کہ نیند کے اندر اور موت کے بعد مومن کی روح عرش کے سامنے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے۔

حضرات تابعین کرامؒ

میں عرض کرتا ہوں کہ حضرات صحابہؓ کے ساتھ حضرات تابعین کے آثار بھی موجود ہیں چنانچہ حضرت عکرمہ اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہما نے فرمایا

اذا نام الانسان كان له سبب تجرى فيه الروح ..... ثم دام ذاهبا فالانسان نائم فاذا ارجع الى البدن انتبه الانسان وكان بمنزلة شعاع الشمس هو ساقط بالارض و اصله متصل بالشمس [2]

جب انسان سوتا ہے تو اس کے لئے ایک راستہ بن جاتا ہے جس میں روح چلتی ہے ---- جب تک روح چلتی رہتی ہے انسان سوتا رہتا ہے جب بدن کی طرف واپس آجاتی ہے انسان جاگ اٹھتا ہے اور روح شعاع شمس کی مانند ہے کہ شعاع تو زمین پر پڑتی ہے اور اس کی اصل سورج کے ساتھ متصل ہے۔

حضرات صحابہ کرامؓ

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے :-

اِذَا نَامَ الْاِنْسَانُ عُرِجَ بِرُوْحِهٖ حَتّٰى يُؤْتٰى بِهَا اِلَى الْعَرْشِ فَاِنْ كَانَ طَاهِرًا اُذِنَ لَهَا بِالسُّجُوْدِ۔ [3]

جب انسان سوتا ہے اس کی روح اوپر کو چڑھائی جاتی ہے یہاں تک کہ عرش تک جا پہنچتی ہے پس اگر وہ انسان پاک ہوتا ہے تو روح کو سجدہ کی اجازت دی جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ

بیہقیؒ نے حضرت عبداللہ رضؓ سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا :-

---

[1] کتاب الروح ص ۲۲ [2] "شرح الصدور" ص ۴۷ [3] ایضاً۔ ابن بیعہ نے اسے روایت کیا ہے (کتاب الروح ص ۲۴)

اِنَّ الْاَرْوَاحَ یُعْرَجُ بِهَا فِیْ مَنَامِهَا اِلَی السَّمَاءِ وَتُؤْمَرُ بِالسُّجُوْدِ عِنْدَ الْعَرْشِ [1]

بیشک روحوں کو نیند میں آسمان کی طرف چڑھایا جاتا ہے اور عرش کے قریب انہیں سجدہ کا حکم دیا جاتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

امام بغوی رحمہ اللہ م ۵۱۶ھ رقمطراز ہیں:۔

وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ یَخْرُجُ الرُّوْحُ عِنْدَ النَّوْمِ وَیَبْقٰی شُعَاعُهٗ فِی الْجَسَدِ فَبِذٰلِكَ یَرَی الرُّؤْیَا فَاِذَا انْتَبَهَ مِنَ النَّوْمِ عَادَ الرُّوْحُ اِلٰی جَسَدِهٖ بِاَسْرَعَ مِنْ لَحْظَةٍ [2]

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نیند کے وقت روح خارج ہو جاتی ہے اور جسم میں اس کی شعاع باقی رہتی ہے اور اسی سے انسان خواب دیکھتا ہے پس جب انسان نیند سے جاگتا ہے تو روح پلک جھپکنے سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ جسم کی طرف لوٹ آتی ہے۔

خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

مستدرک حاکم طبرانی اور عقیلی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَامِنْ عَبْدٍ وَلَا اَمَةٍ یَنَامُ فَیَمْتَلِیْ نَوْمًا اِلَّا یُعْرَجُ بِرُوْحِهٖ اِلَی الْعَرْشِ [3]

جو بھی اللہ کا بندہ یا باندی سوتی ہے اور گہری نیند سو جاتی ہے اس کی روح عرش کی طرف چڑھائی جاتی ہے۔

امام العصر حضرت حافظ ابو عبداللہ بن مندہ نے اپنی کتاب (کتاب النفس والروح) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ فرماتے تھے ما من عبد ینام.....الخ [4]

کتاب و سنت سے استنباط و استخراج یا محض اجتہاد؟

مانعین تو کہتے ہی ہیں کہ روح کا وجود کے ساتھ

تفسیر زیر آیت اللہ یتوفی الانفس.....

[1] "شرح الصدور" ص ۱۴۳ || [2] تفسیر معالم التنزیل بغوی مطبوعہ مصر تفسیر زیر آیت اللہ یتوفی الانفس.....

[3] "شرح الصدور" ص ۱۴۳ || [4] "کتاب الروح" ص ۳۶

اتصال وتعلق قرآن وحدیث سے ثابت نہیں یعنی من گھڑت ہے۔ آپنے بھی فرماتے ہیں کہ۔ اتصالِ روح کا موقف کسی نص صریح پر مبنی نہیں بلکہ علمائے کبار نے مختلف نصوص میں تطبیق دینے کے لئے اسے اجتہادی طور پر اختیار کیا۔ ("مقامِ حیات" از علامہ خالد محمود صاحب ص ۲۳۱، طبع اوّل)

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اتصالِ روح کا موقف محض اجتہادی نہیں، بلکہ نصوصِ صریحہ پر مبنی ہے۔ یعنی کتاب وسنت کی نصوص میں اجتہاد کرکے ائمہ دین رحمہم اللہ نے یہ موقف اختیار کیا۔

ہمارے اس عرض کی تفصیل ملاحظہ ہو:۔

اللہ رب العزت نے اپنے کلام پاک قرآنِ کریم میں فرمایا:۔

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی (پارہ ۲۴، سورہ زمر، رکوع ۵)	اللہ قبض کر لیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت، اور جن کی موت نہیں آئی ان کی نیند کے وقت، پھر ان جانوں کو تو روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو ایک وقت مقرر تک رہا کر دیتا ہے۔

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر یوں منقول ہے کہ نیند کے وقت روح نکل جاتی ہے مگر جسم میں اس کی شعاع باقی رہتی ہے۔ بیداری کے وقت پھر روح طرفۃ العین سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ جسم کی طرف لوٹ آتی ہے۔

اب سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ تفسیر ایسے امر سے متعلق نہیں جس کے بارے میں صحابیؓ اپنی رائے سے کچھ کہہ سکے۔ ان کے سامنے اللہ رب العزت کا قرآن ہے اور نبی کریمؐ کا ارشاد گرامی!

حدیث پاک کی نص صریح سے ثابت ہے کہ نائم کی روح عرش کی طرف لے جائی جاتی ہے، اور قرآن کریم کی نص صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک وقت معین تک کے لئے نائم کی روح کو واپس کر دیتا ہے۔ جس سے نائم جاگ اٹھتا ہے، اب حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص اور حضرت ابوالدرداء وغیرہ رضی اللہ عنہم ایسے جلیل القدر علّام صحابہ کرامؓ نے کتاب اللہ اور حدیثِ رسولؐ سے یہ استنباط واستخراج کیا کہ نائم کی روح عرش کے قریب بارگاہِ رب العزت میں جاتی ہے تو سجدہ بھی بجالاتی ہے۔

تو سوال یہ ہے کہ اس وقفے میں نائم زندہ ہے یا مردہ؟ ظاہر ہے کہ اسے مردہ تو وہی کہے گا جس کا اپنا قلب و دماغ مردہ ہوگا۔ اور زندہ ہے تو کس طرح؟ جبکہ نص قرآن کے مطابق اس کی روح قبض کر لی گئی ہے۔ اور نص حدیث کے مطابق وہ بارگاہِ رب العزت میں عند العرش پہنچ گئی ہے۔

اور مشاہدہ بھی یہی ہے کہ نائم بے روح تو ہے مگر مردہ نہیں۔ نہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے نہ اٹھتا ہے نہ بیٹھتا ہے نہ بولتا ہے، بے حس و حرکت اور بے سدھ، بے خبر و بے شعور پڑا ہوا ہے۔ اس لحاظ سے تو گویا مردہ ہے، لیکن حقیقت میں مردہ نہیں، اس کی نبض چل رہی ہے۔ دل برابر دھڑک رہا ہے۔ دوران خون جاری ہے۔

اب سوائے اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ نائم کی روح کو بنص قرآن اللہ تعالیٰ نے قبض فرمالی ہے۔ اور بنص حدیث وہ عند اللہ عرش کے قریب ہے۔ مگر اس کا کچھ تعلق اس کے جسم کے ساتھ ضرور ہے جس کی وجہ سے جسم زندہ ہے مردہ نہیں۔ اس تعلق کی تعبیر سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ یہی فرماتے ہیں کہ عند النوم روح تو خارج ہو گئی البتہ اس کی شعاع فی الجسد باقی رہ گئی۔

اور یہ تعبیر بھی کتاب و سنت کی نصوص صریحہ کی روشنی میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ بیداری کے وقت پلک جھپکنے کی دیر بھی نہیں لگاتی اور اس سے بھی زیادہ سرعت و تعجیل کے ساتھ روح واپس جسم میں پہنچ جاتی ہے۔

تو اب نیند کی صورت میں کتاب اللہ اور حدیث رسول کی روشنی میں سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ یہ فرماتے ہیں کہ روح تو نکل جاتی ہے مگر اس کی شعاع جسم میں رہ جاتی ہے، گویا روح کا اتصال و تعلق جسم سے برقرار ہے، پھر اصل روح طرفۃ العین سے بھی زیادہ سرعت و تعجیل کے ساتھ عرش سے فرش پر واپس لوٹ آتی ہے اور آدمی جاگ اٹھتا ہے۔ مگر یہ سارا قصہ نیند کا ہے۔

یہ ساری بحث نائم کی روح کے متعلق تھی اب میت کی روح کے متعلق عرض ہے ۔

محدث جلیل حافظ ابن مندہ اپنی سند کے ساتھ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

جب مومن کی روح فرشتے لے کر چڑھتے ہیں تو اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

فاذا صعد بها الی السماء شیعها مقربو کل سماء حتی توضع بین یدی اللہ عند العرش لہ

جب روح آسمانوں کو چڑھائی جاتی ہے تو ہر آسمان کے مقرب فرشتے اس کے ساتھ ہوتے ہیں یہاں تک کہ عرش

امام ابن مندہؒ ہی نے دوسری روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کی ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں ہر آسمان کا فرشتہ اس روح کے لئے دعاء رحمت کرتا ہے تصلی علیہا کل ملک فی کل سماء۔ یہاں تک کہ اسے خدائے جبار کے سامنے پہنچا دیا جاتا ہے حتی ینتھی بھا بین یدی الملک الجبار[1]

حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی اس سلسلہ میں ایک روایت ہے۔ اس میں ارشاد فرمایا۔ ثم یعرج بھا الی السماء .... حتی ینتھی بھا الی السماء التی فیہا اللہ عزوجل[2]

ایک روایت بکر بن خنیس نے کی ہے کہ یزید الرقاشی نے حضرت انسؓ سے اور ابو عبداللہ الشامی نے حضرت تمیم الداریؓ سے اور ان دونوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ:۔

اِذَا عَرَجَ مَلَکُ الْمَوْتِ بِرُوحِ الْمُؤْمِنِ اِلَی السَّمَاءِ اِسْتَقْبَلَہٗ جِبْرَئِیْلُ فِی سَبْعِیْنَ اَلْفًا مِنَ الملائکۃ کل منھم یأتیہ ببشارۃ من السماء سوی بشارۃ صاحبہ فاذا انتھی بہ اِلَی الْعَرْشِ خر ساجداً[3]

جب ملک الموت مومن کی روح لے کر آسمان کی طرف چڑھتا ہے تو جبرئیلؑ ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ اس کا استقبال کرتا ہے وہ سب فرشتے ایک سے ایک بڑھ کر اسے بشارت دیتے ہیں جب یہ عرش کے قریب جاتی ہے تو سجدہ میں گر جاتی ہے۔

نیند اور موت

نیند اور موت میں بدرجۂ اتم تشابہ و مماثلت ہے۔ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا "النوم اخ الموت" نیند موت کی بہن ہے۔ بلکہ ایک ارشاد میں نیند کو بالکل موت سے تعبیر فرمایا ہے۔ سوتے وقت حضورؐ فرماتے تھے۔ بروایت حضرت حذیفہ و حضرت براء رضی اللہ عنہما

اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی

الٰہی میں تیرے نام کے ساتھ مرتا ہوں (یعنی سوتا ہوں) اور زندہ ہوتا ہوں (یعنی جاگتا ہوں)

اور جب بیدار ہوتے تو فرماتے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ۔ رواہ البخاری ومسلم[4]

تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا۔ (یعنی نیند کے بعد بیدار فرمایا)

اور (قیامت میں) زندہ ہو کر اسی کی طرف رجوع ہونا ہے۔

---

[1] کتاب الروح ص ۱۱۔ [2] ایضاً ص ۱۰۔ [3] ایضاً ص ۱۲۔ [4] مشکوٰۃ المصابیح باب ما یقول عند الصباح والمساء والمنام

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوم (نیند) کو موت فرمایا ہے اور اللہ رب العزت نے موت اور نیند کو بالکل ایک ہی سطح پر رکھا ہے۔ اور قرآن نے نوم اور موت کو ایک ہی لفظ توفی کے تحت داخل کیا ہے۔ قولہ تعالےٰ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ،

اور یہ بھی نص قرآنی سے ثابت ہے کہ موت اور نیند دونوں کی حالت میں ایک ہی چیز (روح) قبض کی جاتی ہے۔

کتاب اللہ میں نیند کو بالکل وفات بھی فرمایا گیا ہے۔

قولہ تعالےٰ وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ (پارہ ۷۔ سورہ انعام)	اور (اللہ) وہی ہے جو رات کو تمہاری روح کو قبض کرتا ہے (یعنی بصورت نیند تمہیں وفات دیتا ہے)

جب کتاب اللہ کی نص صریح میں موت اور نیند کو ایک ہی سطح پر رکھا گیا ہے اور حدیث کی نص صریح میں نیند کو موت فرمایا گیا ہے۔ "موت کی بہن" فرمایا گیا ہے۔ پھر جس طرح حدیث پاک کے اندر نیند کی حالت میں نائم کی روح کا بارگاہِ الٰہی میں عند العرش حاضر ہونا فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح متعدد احادیث میں میت کی روح کا عند العرش ملک الجبار کے سامنے حاضر ہونا فرمایا گیا ہے۔ پھر تشابہ و توافق درجۂ کمال کو پہنچ گیا کہ جس طرح آثارِ صحابہؓ میں نائم کی روح کا عند العرش سجدہ کرنا مذکور ہے۔ خود ارشادِ نبوت میں مومن میت کی روح کا عند العرش اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر جانا فرمایا گیا ہے۔

جہاں کتاب و سنت کے اندر نیند اور موت میں اتنی مشابہت و مماثلت بلکہ وحدت و یگانگت ہے وہاں اجلۂ علماء امت و کبار ائمہ دین نے کتاب و سنت کی ان نصوص صریحہ کے پیش نظر اگر یہ کہہ دیا کہ موت کے بعد بھی روح کا تعلق جسم کے ساتھ رہتا ہے۔ جیسا کہ خود قرآن و حدیث کی نص صریح سے نیند میں روح کا تعلق جسم کے ساتھ ثابت ہے تو یہ ان کا کتاب و سنت سے استنباط و استخراج ہوا نصوص صریحہ پر قیاس ہوا یا من گھڑت زعم و خیال ؟ اور دفع تعارض کے لئے صرف اجتہاد ؟

باقی رہا اکابر علماء دین کا یہ قول کہ روح سریع الحرکت ہے۔ سریع السیر ہے۔ بجلی کی طرح اعلیٰ علیین سے قبر تک پہنچ جاتی ہے اور طرفۃ العین میں پھر جسد سے اپنے مقر میں واپس پہنچ جاتی ہے تو یہ بھی علماء کبار کا اجتہاد نہیں بلکہ یہ کتاب و سنت کی نصوص کے تحت خلیفۂ راشد سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔ جو نیند سے متعلق ہے کہ ؛۔

عَادَ الرُّوْحُ اِلٰی جَسَدِهٖ بِاَسْرَعَ مِنْ لَحْظَةٍ (تفسیر معالم التنزیل) تو جو روح نیند میں سریع الحرکۃ اور اسرع من لحظۃ ہو سکتی ہے وہ نیند کی بڑی بہن موت کے بعد سریع الحرکۃ اور

اسراع السیر کیوں نہیں ہوسکتی ؟

ان حالات و حقائق کی روشنی میں یہ کہنا کہ :۔

اتصالِ روح کا موقف کسی نصِ صریح پر مبنی نہیں۔یا یہ فرمانا کہ :۔

چوتھی صدی کے بعد سے شارحینِ حدیث نے بعض حدیثوں میں تطبیق کے سلسلہ میں تعلق روح بجسدِ عنصری کا مختلف عنوان سے ذکر کیا ظاہر ہے کہ بہت بڑی زیادتی ہے۔

بخلاف اس کے حقیقت یہ ہے کہ :۔

۱:۔ خدا اور رسولِ خدا نے موت اور نیند کو ایک ہی سطح پر رکھا ہے' بلکہ صحیح حدیث میں نیند کو موت فرمایا گیا ہے، اور کتاب اللہ میں وفات !

۲:۔ موت اور نیند دونوں کی حالت میں جسم سے روح کا قبض و خروج خود کتاب اللہ کی نصِ صریح سے ثابت ہے۔

۳:۔ دونوں صورتوں میں روح کا عرش پر جانا اور بارگاہِ رب العزت میں سجدۂ نیاز ادا کرنا نصِ حدیث سے ثابت ہے ۔

۴:۔ نیند کی حالت میں نائم کی روح کا عرش سے فرش پر واپس آنا کتاب اللہ سے ثابت ہے۔

۵:۔ نائم کی روح کا عرش سے فرش پر چشم زدن میں واپس آنا اور جسم کی طرف لوٹنا خود کتاب اللہ میں اور اسرع من لحظۃ سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ کے ارشاد میں وارد ہے ۔

۶:۔ بحالتِ نوم روح کا نکل جانا مگر اس کا جسم کے ساتھ شعاع کی شکل میں تعلق و اتّصال رکھنا یہ بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے ثابت ہے -اور مشاہدہ سے بھی !

تو اب بحالتِ موت روح کا جسم کے ساتھ تعلق و اتّصال رکھنا یا مقررّ ارواح سے پلک جھپکنے سے بھی زیادہ تیزی و سرعت کے ساتھ میّت کے قریب آجانا یہ قرآن و حدیث کی نصوصِ صریحہ پر مبنی ہُوا یا محض اجتہادی؟ حقیقت یہ ہے کہ اتّصالِ روح کا موقف کتاب اللہ اور حدیثِ نبوی کی نصوصِ صحیحہ صریحہ اور اقوال و آثارِ صحابہ کرامؓ پر مبنی ہے اور اسے محض اجتہادی قرار دینا صریح زیادتی ہے۔

اس شرح و تفصیل کے بعد غالباً مؤلف " ندائے حق "، کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ روح کا علّیین یا سجّین میں رہتے ہوئے جسدِ عنصری کے ساتھ تعلق قرآن و حدیث سے ثابت ہے :۔

۱۴۔ حضرت قاضی شمس الدین صاحب!

طرفہ تماشہ یہ کہ دارالعلوم دیوبند کے جس مخصوص مکتب فکر سے صاحب "ندائے حق" متعلق ہیں۔ اسی مکتب فکر کے عظیم فرد استاذ الاساتذہ حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ تعلق روح بالجسد کے قائل ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

ارواحِ طیبہ کا ابدانِ مبارکہ سے تعلق جس کی کنہ ہم نہیں جانتے اس کو تسلیم کرتے ہیں —— ایمان کے لئے ہم اتنا کافی سمجھتے ہیں کہ ایک شخص یہ یقین کرے کہ انبیاء علیہم السلام دنیا سے رخصت ہونے کے بعد زندہ ہیں جس کی کیفیت اللہ تعالے ہی جانتا ہے "(مسالک العلماء ص ۱۶۸)

اور یہ حقیقت ہے اور سارے اکابر علماء امت یہی فرماتے ہیں کہ ارواح کے ابدان سے اتصال و تعلق کی کنہ و کیفیت سوائے اللہ تعالے کے کوئی نہیں جانتا نہ ہمیں اس میں بحث و تمحیص کی ضرورت ہے البتہ یہ سارے عمائدِ دین مانتے ہیں کہ ارواح کو ابدان کے ساتھ تعلق ہے اور ضرور ہے۔

۵

حیات النبی فی الجنۃ

"رفیقِ اعلیٰ" میں نبیؐ کریمؐ کی روحانی حیات

پہلی حقیقت، فی الرفیق الاعلیٰ صرف صحیح بخاری میں ایک ہی موقع پر آٹھ۔ اور روایات میں یہ مضمون ہے کہ بالکل آخر وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ پاک پر اللّٰھمّ فی الرفیق الاعلیٰ کے الفاظ تھے، یہ ساری روایات حضورؐ کی محبوب رفیقۂ حیات ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں جن کے گھر میں آپؐ نے وفات پائی اور وفات کے وقت آپؐ کا سر مبارک ان کی گود میں تھا۔

فرماتی ہیں:۔

تُوُفِّیَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم فِی بَیْتِیْ وَفِیْ یَوْمِیْ وَبَیْنَ سَحْرِیْ وَنَحْرِیْ۔۔۔۔ فَرَفَعَ رَأْسَہٗ اِلَی السَّمَاءِ وَقَالَ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی، فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی [1]

نبی کریمؐ نے میرے گھر میری باری کے دن اور میری گود میں وفات پائی۔۔۔۔ آپؐ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور فرمایا فی الرفیق الاعلیٰ فی الرفیق الاعلیٰ۔

دوسری روایت میں ہے کہ ثم قال فی الرفیق الاعلیٰ ثلاثًا ثم قضی [2] آپؐ نے تین بار فی الرفیق الاعلیٰ فرمایا پھر وفات پاگئے۔

تیسری روایت میں ہے فجعل یقول فی الرفیق الاعلیٰ حتی قبض [3] آپؐ برابر فی الرفیق الاعلیٰ فرماتے رہے یہاں تک کہ وفات پائی۔

---

[1] صحیح بخاری باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ [2] ایضاً [3] ایضاً۔

چوتھی روایت کے الفاظ ہیں:۔ فکانت آخر کلمۃ تکلم بہا اللھم الرفیق الاعلیٰ
آپ کا آخری کلام مبارک یہی تھا، اللھم الرفیق الاعلیٰ۔

دوسری حقیقت، جنّت کا نظارہ

اب دوسری حقیقت ملاحظہ ہو:۔

حضرت صدیقہؓ طاہرہ ام المومنین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے۔

اِنَّہٗ لَنْ یُّقْبَضَ نَبِیٌّ حَتّٰی یُرٰی مَقْعَدُہٗ مِنَ الْجَنَّۃِ ثُمَّ یُخَیَّرُ۔ متفق علیہ [۱]

کسی نبی کی وفات نہیں ہوتی جب تک کہ جنت میں اس کا مقام اس کو دکھا نہیں دیا جاتا، پھر اس کو اختیار دیا جاتا ہے۔

جب تک نبی کو جنت میں اس کا ٹھکانا نہ دکھا دیا جائے، اس وقت تک کسی نبی کی روح قبض نہیں کی جاتی۔

مقعد کے معنی ہیں جائے قیام (مفردات القرآن ص ۷۵۸) بیٹھنے کی جگہ (لغات القرآن جلد ۵ ص ۳۰۳)

تیسری حقیقت، دنیا و آخرت میں اختیار

وفات سے پہلے جہاں نبی کو جنت میں اس کا مقام دکھا دیا جاتا ہے وہاں اس کے بعد اسے اختیار دیا جاتا ہے کہ دنیا و آخرت میں سے جو چاہے چن لے، چاہے تو وہ زندہ رہ کر دنیا کی رونق اور سج دھج سے متمتع ہو اور چاہے تو اخروی نعمتوں اور عنداللہ انعامات سے مستفید و مستفیض ہو۔

حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، فرماتے تھے۔

مَا مِنْ نَبِیٍّ یَمْرَضُ اِلَّا خُیِّرَ بَیْنَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ متفق علیہ [۲]

کوئی نبی ایسا نہیں جسے مرض (وفات) میں دنیا اور آخرت میں سے کسی ایک کو چن لینے کا اختیار نہ دیا گیا ہو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

---

[۱] متفق علیہ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)، "مشکوٰۃ المصابیح" باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم [۲] "مشکوٰۃ المصابیح" باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم [۳] ایضاً

چوتھی حقیقت، آپؐ نے اُخروی نعمتیں اختیار فرمالیں

چنانچہ آپ کو یہ اختیار دیا گیا اور آپ نے آخرت اور آخرت میں عند اللہ انعامات کو چن لیا۔

۱۔ بروایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ آپ نے (مرضِ وفات میں) منبر پر بیٹھ کر فرمایا۔

اِنَّ عَبْدًا خَيَّرَهُ اللّٰهُ بَيْنَ اَنْ يُّؤْتِيَهُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا مَا شَاءَ وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَهُ فَبَكٰى اَبُوْبَكْرٍ ... فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الْمُخَيَّرُ وَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ اَعْلَمَنَا ۔ متفق علیہ [1]

ایک بندہ ایسا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے اگر وہ چاہے تو دنیا کی رونق اللہ اسے دے دے اور اگر چاہے تو جو (نعمتیں) اللہ کے پاس ہیں، (وہ لے لے) اس بندے نے عند اللہ (انعام واکرام) کو چن لیا ہے اس پر حضرت ابوبکرؓ رو پڑے۔۔۔۔ وہ بندہ جس کو اختیار دیا گیا (خود) رسولِ کریمؐ تھے اور حضرت ابوبکرؓ ہم سب (صحابہ کرامؓ) سے زیادہ عالم تھے۔

۲۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضورؐ صحت کی حالت میں فرمایا کرتے تھے نبی کو وفات سے پہلے جنت میں اس کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے پھر اس کو اختیار دیا جاتا ہے۔۔۔۔ وفات کے وقت جب آپ نے اللھم رفیق الاعلیٰ فرمایا قُلْتُ اِذَنْ لَا يَخْتَارُنَا تو میں سمجھ گئی کہ اب آپ ہم کو اختیار نہیں کریں گے۔ متفق علیہ [2]

یعنی ام المومنین رضی اللہ عنہا کو یقین ہوگیا کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے رخصت ہونے والے ہیں۔ اب آپؐ ہمارے ہاں نہیں رہیں گے۔

فی الرفیق الاعلیٰ کے معنیٰ

آپؐ کے اس آخری اور متواتر ارشاد کے معنیٰ کیا ہیں؟ اس پر کچھ روشنی ایک اور روایت سے پڑتی ہے ام المومنینؓ ارشاد فرماتی ہیں میں نے آپؐ کی وفات سے پہلے کان لگا کر آپؐ سے سنا (اصغت الیہ) فرماتے تھے:۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاَلْحِقْنِيْ بِالرَّفِيْقِ [3]

میرے اللہ! میری مغفرت فرما، میرے اوپر رحم فرما اور مجھے رفیقوں کے ساتھ ملا دے۔

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم [2] ایضاً [3] صحیح بخاری باب مرض النبیؐ۔۔۔۔۔۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ اس وقت بھی برابر یہ دعا فرماتے رہے جبکہ آپؐ کی آواز انتہائی کمزور ہو گئی تھی اور کان لگائے بغیر سنی بھی نہیں جاتی تھی،

اور فی الرفیق الاعلیٰ اور اللھم الرفیق الاعلیٰ کے معنیٰ اتنا تو معلوم ہو گئے کہ میرے اللہ! مجھے رفیقِ اعلیٰ سے ملادے!!

اب رفیق اعلیٰ سے کیا مراد ہے؟ اس کی حقیقت خود حضورؐ کے دوسرے فرمان سے ہو جاتی ہے۔

ام المومنین رضی اللہ عنہا ہی فرماتی ہیں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم مرض وفات میں فرماتے تھے:۔

مع الذین انعمت علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین۔ متفق علیہ[1]	ان حضرات کے ساتھ جن پر تونے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء (کے ساتھ ملادے)

تو بالکل آخرِ وقت آپؐ کی اللہ رب العزت سے دعا یہ تھی کہ الٰہی! مجھے ان رفیقوں سے ملادے جن پر تونے فضل و انعام فرمایا، نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صلحاء سے ملادے (جو اعلیٰ علیین میں رہتے ہیں)

قولہ فی الرفیق الاعلیٰ ای الجماعۃ من الانبیاء الذین یسکنون اعلیٰ علیین[2]

پانچویں حقیقت، جنّت آپؐ کا مسکن ہے!

بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سیدۃ النساء حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کی موت پر فرمایا:۔

یا ابتاہ اجاب ربّا دعاہ یا ابتاہ من جنۃ الفردوس ماواہ[3]	اے میرے باپ! اللہ نے آپؐ کو بلایا آپ نے اپنے رب کی دعوت قبول فرمائی۔ اے میرے باپ!

وہ ذات کہ جنت الفردوس آپؐ کا ٹھکانا ہے۔

ماویٰ کے معنیٰ ہیں ٹھکانا، مقامِ سکونت[4]، امام راغب اصفہانیؒ نے ماویٰ کے معنیٰ کئے ہیں رہنے کی جگہ (مفردات القرآن)

خلاصہ

ان پانچ حقائق کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

1۔ اللہ رب العزت نے آپؐ کو مرض وفات میں جنت میں آپؐ کی جائے قیام

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح"، باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم [2] سندھی حاشیہ علی البخاری مطبوعہ مطبع عثمانیہ مصر

[3] صحیح بخاری باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم [4] "لغات القرآن" جلد پنجم ص ۲۷۴

بیٹھنے رہنے کی جگہ دکھلائی۔ پھر آپؐ کو اختیار دیا کہ چاہے تو آپ ابھی کچھ اور دنیا میں رہیں چاہے اپنے اس جنتی مقام میں آجائیں، آپؐ نے دنیا سے منہ موڑ کر عند اللہ اخروی نعمتوں اور جنتی مقام کو چن لیا اللہ تعالیٰ سے بار بار دعا کی کہ مجھے اعلیٰ علیین میں رہنے والے رفیقوں، جماعت انبیاء وغیرہ علیہم السلام سے ملا دے، اور بالفاظ حضرت سیدۃ النساء فاطمہ رضی اللہ عنہا آپؐ نے اپنے رب کی دعوت الی الجنۃ کو قبول کر لیا (اور اللہ نے آپؐ کی دعا الحاق بالرفیق کو قبول فرمالیا، آپؐ کو وفات دے دی اور جنت الفردوس میں داخل فرمادیا) اب جنت الفردوس آپؐ کا مقام سکونت ہے آپؐ کے رہنے کی جگہ ہے۔

نتیجہ اب ان حقائق سے نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی ظاہر ہے کہ وفات کے بعد ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام سکونت جنت الفردوس ہے۔ اپنی رضا سے آپؐ نے دنیا سے منہ موڑا، اہلِ دنیا سے تعلق قطع فرمایا، بار بار الحاق بالرفیق کی دعا کی، جس پر اللہ رب العزت نے آپ کو وفات دے کر جنت الفردوس میں بلالیا۔ اب آپؐ کے روح پاک کا مقعد و ماویٰ جنت الفردوس ہے۔ آپؐ کے رہنے کی جگہ، آپؐ کا مقام سکونت، جنت الفردوس ہے۔

قبرِ اقدس میں آپؐ کی جسمانی زندگی بایں ہمہ قبر شریف میں آپ کی جسمانی زندگی کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ تمام اہلِ حق اور جمیع ائمہ دین مزار پر انوار میں حیات النبیؐ کے قائل و مثبت ہیں تفصیل اگلے باب میں ملاحظہ ہو۔





حیاتُ النبی ﷺ فی قبرہ الشریف

(قبرِ اقدس میں نبی کریم ﷺ کی جسمانی حیات)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر پر امت کا اتفاق ہے۔ اکابر امت وعمائد اہلِ سنت کے اقوال وارشادات ملاحظہ ہوں :۔

۱:۔ امام ابوالقاسم القشیری رحمہ اللہ امام اہل سنت امام ابوالحسن الاشعری رحمہ اللہ (متوفی ۳۳۰ھ) اوران کے اصحاب کے متعلق لکھتے ہیں :۔

وعندھم محمد صلوات اللہ علیہ حیٌّ فی قبرہٖ [۱]	امام ابوالحسن اشعری اوران کے اصحاب کے نزدیک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں۔

۲:۔ امام ابومنصور البغدادی (متوفی ۴۱۹ھ) :۔

قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم حیٌّ بعد وفاتہٖ [۲]	ہمارے محقق متکلم اصحاب کا قول ہے کہ ہمارے نبی محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفات زندہ ہیں۔

۳:۔ امام ابوالقاسم القشیری (متوفی ۴۶۵ھ) رقمطراز ہیں :۔

محمد صلوات اللہ علیہ حیٌّ فی قبرہٖ ---- ولقد وردت الاخبار الصحیحۃ والآثار المرویۃ بما یدل علی ھذہ الجملۃ [۳]	محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قبر میں زندہ ہیں اور بلاشبہ صحیح احادیث اور مروی آثار وارد ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں۔

اس کے بعد امام رحمہ اللہ نے اپنی سند سے کئی احادیث روایت کی ہیں۔ جو اس بات پر دلالت کرتی

---

[۱] "الرسائل القشیریہ" طبع کراچی ص ۱۰ [۲] "وفاء الوفاء" للسمہودی رحمہ اللہ مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۴۰۶

[۳] "الرسائل القشیریہ" مطبوعہ کراچی ص ۱۱

ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حیّ فی قبرہٖ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔

۴۴۔ علامہ ابن عقیل (م ۵۱۳ھ)؛-

وھو صلی اللہ علیہ وسلم حیٌّ فی قبرہٖ یُصلی [1]

۴۵۔ امام المحدثین علامہ سخاوی (م ۹۰۲ھ) تلمیذ رشید شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رح؛-

لحن نؤمن ونصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حیّ یرزق فی قبرہٖ [2]	ہمارا ایمان ہے اور ہم تصدیق کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق (روحانی) ملتا ہے۔

۴۶۔ امام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ؛-

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہٖ معلومۃٌ عندنا علماً قطعیاً لما قام عندنا من الادلۃ فی ذلک وتواترت بہ الاخبار الدالۃ علی ذلک [3]	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں حیات ہمارے نزدیک قطعی طور پر ثابت ہے۔ کیونکہ اس پر دلائل قائم ہیں اور اس پر تواتر کے ساتھ احادیث دلالت کرتی ہیں۔

۴۷۔ مولانا ابوالعتیق عبدالہادی رحمہ اللہ؛-

انھم اتفقوا علی حیاتہٖ صلی اللہ علیہ وسلم متفق علیہا لاخلافٌ لاحدٍ فیہ [4]	حضرات محدثین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پر متفق ہیں اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔

۴۸۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ؛-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیّ فی قبرہٖ کما ان الانبیاء علیہم السلام احیاءٌ فی قبورھم [5]

اعمالِ حیات

صرف حیاتِ مقدسہ ہی نہیں بلکہ قبر شریف میں اعمالِ مبارکہ بھی ثابت ہیں؛-

۱۔ علامہ سمہودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں؛-

وقصۃ سعید بن المسیب فی سماعہ الاذان والاقامۃ من القبر الشریف ایام الحرۃ مشھورۃ [6]	ایام حرہ میں نبی کریم کی قبر شریف سے سعید بن المسیب کے اذان واقامت سننے کا قصہ مشہور ہے۔

---

[1] وفاء الوفاء "ص ۱۴۰۰ از "تسکین الصدور" ص ۱۲۲ [2] "القول البدیع" ص ۱۲۵ طبع الہ آباد از "تسکین الصدور" ص ۱۲۹)

[3] فتاویٰ امام سیوطی جلد ۲ ص ۱۴۷ طبع مصر از "تسکین" ص ۱۲۵ [4] "نفح المحمود" شرح ابی داؤد جلد ۱ ص ... از "تسکین" ص ۱۳۰

واقعہ حرہ ۱۔ ۶۳ھ میں جب مدینہ منورہ پر چڑھائی ہوئی، شامی فوج کے خوف سے سب اہل مدینہ اپنے اپنے گھروں میں جاگزیں ہوگئے۔ مسجد نبوی میں کوئی مسلمان نماز کے لئے نہیں آتا تھا۔ صرف سید التابعین حضرت سعیدؒ بن المسیبؒ مسجد میں رہے۔

۲ ۔ وہ فرماتے ہیں جب نماز کا وقت ہوتا تھا۔

اسمع اذانًا من قبل القبر الشریف	میں قبر شریف سے اذان کی آواز سنتا، پھر اقامت

ہوتی اور میں بڑھ کر نماز پڑھتا اور (ان دنوں) میرے سوا مسجد نبوی میں کوئی بھی نہ ہوتا تھا [۱]

"وفاء الوفاء" سمہودی میں بھی یہ واقعہ انہی الفاظ میں مسطور ہے [۲]

۳ ۔ نیز اسے محدث سخاوی اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہما اللہ وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے [۳]

۴ ۔ امام العصر شیخ الاسلام علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ان کثیرًا من الاعمال تثبت فی القبور	بیشک قبور میں بہت سے اعمال ثابت ہیں
کالاذان والاقامۃ عند الدارمی [۴]	جیساکہ دارمی کی روایت میں اذان واقامت۔

۵ ۔ یہ مسند دارمی میں اذان واقامت کا واقعہ خود نبی کریمؐ سے متعلق ہے۔ اور اسے امام ابن سعد ابو نعیم زبیر بن بکار رحمہم اللہ نے بھی روایت کیا ہے [۵]

۶ ۔ امام شعرانی (م ۹۷۳ھ) فرماتے ہیں:۔

قد صحت الاحادیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم حیٌّ فی قبرہ یصلی باذانٍ واقامۃٍ [۶]	صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ نبی کریمؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

روح پاک کا جسدِ اطہر سے اتصال وتعلق

قبر انور سے اذان واقامت اور نماز ثابت ہے اور اس کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ روح پاک موجود تو اپنے مقام پر رہے۔ البتہ اس کا تعلق جسمِ اطہر کے ساتھ اس حد تک قائم ہو جائے کہ ان اعمال ووظائف کا صدور ممکن ہو، جیسے سورج موجود تو اپنے مستقر ومقام پر ہے، لیکن زمین اس

---

[۱] "طبقات ابن سعد"، جلد ۵ ص ۱۳۲ ذکر حضرت سعیدؒ بن المسیبؒ [۲] "وفاء الوفاء" مطبوعہ مصر جلد ثانی ص ۴۰۸
[۳] "مقام حیات" ص ۲۱۰ [۴] فیض الباری شرح بخاری جلد اول باب من اجاب الفتیا الخ [۵] شرح الصدور ص ۸۸
[۶] "منح المنۃ" ص ۹۰ طبع مصر ("تسکین الصدور" ص ۱۲۶)

کے نور سے منور اور اس کی حرارت سے گرم ہے۔

چنانچہ اجلّہ ائمہ امت نے اسی صورت کا قول کیا ہے۔

۱۔ شیخ الاسلام امام ابن قیم رحمہ اللہ رقمطراز ہیں :-

وبعد وفاته استقرت فی الرّفیق الاعلیٰ مع ارواح الانبیاء ومع هٰذا فلها اشراف علی البدن واشراق وتعلّق به بحیث یردّ السّلام علی من سلّم علیه وبهٰذا التعلّق رأی موسیٰ قائماً یصلّی فی قبره[۱]

اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی روح مبارک دوسرے انبیاء علیہم السلام کی روحوں کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں قرار پذیر ہے اور اس کے ساتھ بدن مبارک پر اس کا پرتو اور روشنی پڑتی ہے اور اس کا بدن سے اس قسم کا تعلق ہے کہ آپ سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں، اور اسی تعلق کی وجہ سے آپ نے حضرت موسیٰؑ کو قبر میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھا۔

کتاب الروح میں بھی قریب قریب یہی الفاظ ہیں، لکھتے ہیں:-

"یہ بات قطعی ہے کہ آپ کی روحِ کریمہ اعلیٰ علیین کے اندر رفیق اعلیٰ میں ہے، دوسرے انبیاء (علیہم السّلام) کی روحوں کے ساتھ، اور آپ کی یہ حدیث صحیح ہے کہ آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو شبِ معراج قبر میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھا اور ان کو چھٹے یا ساتویں آسمان پر بھی دیکھا۔

فالرّوح کانت هناك ولها اتصال بالبدن فی القبر واشراف علیه وتعلّق به بحیث یصلّی فی قبره ویردّ سلام من سلّم علیه وهی فی الرّفیق الاعلیٰ[۲]

پس روح تو وہاں تھی اور اس کا قبر شریف میں بدن مبارک سے اتصال ہے اور بدن پر روح کا پرتو پڑتا ہے اور اس سے ایسا تعلق ہے جس سے وہ اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور روح مبارک رفیقِ اعلیٰ ہی میں رہتی ہے۔

ان عبارتوں میں صراحت ہے کہ نبی کریم ہوں یا موسیٰ کلیم (علیہم السّلام) ان کی ارواح مقدسہ کا مستقر و مقام تو رفیق اعلیٰ ہے۔ بایں ہمہ ان ارواحِ مبارکہ کا مزار پر انوار کے اندر ابدانِ مطہرہ کے ساتھ ایسا اتصال اور تعلق قائم ہے جس سے وہ قبور منورہ میں نماز پڑھتے ہیں اور سلام کہنے والوں کا سلام سن کر جواب بھی دیتے ہیں۔

---

[۱] "زاد المعاد" جلد ۲ ص ۴۹ [۲] "کتاب الروح" ص ۴۵

۲:۔ رئیس المتکلمین شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں :۔

و اما بعد وفاته فروحه المقدسة صلی اللہ علیہ وسلم قد استقرت فی الرفیق الاعلی مع ارواح الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ولا یتوھم من ھذا انکار حیاته فی قبرہ الشریف فان لروحه صلی اللہ علیہ وسلم اشراقا علی البدن المبارک المطیب واشراقا وتعلقا به ۔۔۔ واذا سلم علیه المسلم رد اللہ علیه روحه حتی یرد علیه السلام کما ورد فی الحدیث ولم یفارق الملاء الاعلی ومن کشف ادراکه وغلظت طباعه عن ھذا الادراک فلینظر الی الشمس فی علو محلھا وتعلقھا وتاثیرھا فی الارض و حیات النبات والحیوان بھا ھذا وشان الروح فوق ھذا [۱]

وفات کے بعد آپؐ کی روح مقدسہ دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح کے ساتھ استقرار پذیر ہے لیکن اس سے آپ کے اپنی قبر شریف میں زندہ نہ ہونے کا وہم نہ کیا جائے کیونکہ آپؐ کی روح اقدس بدن مبارک طیب پر اپنا اثر ڈال رہی ہے اس کی روشنی بدن پاک پر پڑ رہی ہے اور اس کا بدن اطہر کے ساتھ تعلق ہے۔ اور جب بھی کوئی مسلمان آپ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ آپؐ کی روح کو آپؐ کی طرف متوجہ کر دیتا ہے یہاں تک کہ آپؐ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے اور اس کے باوجود آپ اعلیٰ علیین سے جدا نہیں ہوتے اور جس کا ادراک اس کے سمجھنے سے کثیف اور طبیعت منقبض ہو تو اسے سورج کی طرف دیکھنا چاہیئے کہ وہ کتنے بلند مقام پر ہے لیکن بایں ہمہ زمین پر اس کا تعلق اور تاثیر ہے جس سے حیوانات و نباتات کی حیات و نشوونما وابستہ ہے، اور روح کی شان تو اس سے بھی بلند ہے۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا یہ ارشاد بڑا واضح و مدلل ہے اور اس سے تمام شبہات کا ازالہ ہو جانا چاہیئے۔ آپ کے اس محققانہ کلام سے یہ حقائق ثابت ہوتے ہیں کہ :۔

۱:۔ حضرت کی وفات شریف کے بعد آپ کی روح پاک دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ رفیق اعلیٰ، اعلیٰ علیین میں ہے اور مستقل طور پر وہاں قرار پذیر ہے اور کسی حال میں بھی وہاں سے جدا نہیں ہوتی۔

۲:۔ لیکن اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ قبر اقدس میں آپ کی حیات کا انکار کر دیا جائے۔ گو آپ کی

---

[۱] فتح الملہم شرح صحیح مسلم جلد ۳ ص ۴۲۱ ، باب اقوال العلماء (فضیلۃ القبر الشریف)

روح پاک اعلیٰ علّیین میں ہے لیکن اس کا تعلق قبر پاک میں موجود وجودِ اقدس کے ساتھ ہے، وہ جسمِ انور پر روشنی ڈال رہی ہے۔ جیسے سورج اپنے بلند مقام پر ہے لیکن زمین سے اس کا تعلق ہے۔ اور اس کی تاثیر سے حیوانات و نباتات کی زندگی ہے۔

۱۲۔ جیسے زمین کے ساتھ سورج کے تعلق و تاثیر سے حیوانات و نباتات کی حیات ہے، بلکہ خود زمین میں حیات ہے۔ اسی طرح وجود پاک کے ساتھ روحِ اقدس کے تعلق و اتصال سے نبیٔ کریم قبر شریف میں زندہ و حیات ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

بات صاف ہوگئی کہ نہ تو روحِ اقدس رفیقِ اعلیٰ سے جدا ہوئی، نہ قبرِ اقدس کے اندر وجود پاک میں داخل ہوئی۔ روحِ انور اعلیٰ علّیین میں قرار پذیر ہوتے ہوئے وجود اقدس پر اثر انداز ہوئی، اور اسی کو نبیٔ کریم کی حیات فی القبر سے تعبیر کر دیا گیا اور اسی حیاتِ پاک پر اُمّت کا اتفاق ہے۔

حیات فی القبر کی نوعیّت

باتفاقِ امت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مزار پر انوار میں زندہ و حیات تو ہیں، مگر اس حیاتِ مقدسہ کی نوعیّت کیا ہے؟ ملاحظہ ہو!

۱۔ حیاتِ اقدس اُخروی ہے۔ دنیوی نہیں!

جب دنیا ہی سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، تو دنیوی حیات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح آپؐ کی حیات کے انکار کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ آپؐ کی حیات فی القبر پر امت کا اتفاق ہے۔ اور اہلِ سنّت کا کوئی فرد اس کا منکر نہیں، سب مقر ہیں کہ آپؐ قبرِ اقدس میں زندہ ہیں۔ مگر جس طرح آپ کی قبرِ انور و اطہر کی زندگی حق ہے اسی طرح یہ بھی حق ہے کہ وہ حیاتِ طیبہ طاہرہ دنیوی نہیں، برزخی ہے، اخروی ہے۔ چنانچہ:۔

۱۔ حافظِ حدیث، شیخ الاسلام امام ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:۔

لانّہٗ بعد موتہٖ وَاِنْ کَانَ حَیًّا فَھِیَ حیاۃٌ اخرویۃٌ لا تشبہُ حیٰوۃَ الدّنیا [1]	کیونکہ آپؐ وفات کے بعد اگرچہ زندہ ہیں، لیکن یہ اخروی حیات ہے۔ دنیوی زندگی کے مشابہ نہیں۔

[1] فتح الباری، جلد ۷ ص ۲۳۶ و تسکین الصدور ص ۱۳۹)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

وَهٰذِهِ الحیٰوۃ لَیْسَتْ دُنْیَوِیَّۃً اِنَّمَا هِیَ اُخْرَوِیَّۃٌ [1]

اور یہ زندگی دنیوی نہیں، بلا شبہ یہ اخروی زندگی ہے۔

۴۲۔ خاتم المفسرین علامہ سید محمد آلوسی تحریر فرماتے ہیں :-

والمرادُ بتلكَ الحیٰوۃِ نوعٌ مِنَ الحیٰوۃِ غیرَ معقولٍ لَنَا وَهِیَ فَوْقَ حیٰوۃِ الشُّهَدَاءِ بکثیرٍ وَحَیَاۃُ نَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰهُ علیه وسلّم اَکْمَلُ وَاَتَمُّ مِنْ حیاۃِ سائرِهِمْ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ.... اِنَّ تلكَ الحیٰوۃَ فِی القَبْرِ وَاِنْ یَتَرَتَّبُ عَلَیْهَا بَعْضُ ما یترتبُ علَی الحیٰوۃِ فی الدنیا المعروفۃِ لَنَا من الصَّلٰوۃِ وَالْاَذَانِ والاِقامۃِ وردّ السّلامِ المسموعِ ونحوِ ذٰلكَ اِلّا اَنَّهَا لَا یَتَرَتَّبُ عَلَیْهَا کُلُّ ما یُمْکِنُ اَنْ یَتَرَتَّبَ علٰی تِلْكَ الحیٰوۃِ المعروفۃِ [2]

اس حیات سے حیات کی ایک ایسی نوع مراد ہے جو ہماری سمجھ سے بالا تر ہے۔ اور یہ شہداء کی حیات سے بہت اعلیٰ و بالا ہے۔ اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تو تمام (حضرات) انبیاء علیہم السلام سے اکمل و اتم ہے...... اس قبر کی زندگی پر اگرچہ بعض وہ امور مترتب ہوتے ہیں جو ہماری دنیا کی معروف زندگی پر مترتب ہیں، مثلاً نماز، اذان، اقامت اور سلام سن کر اس کا جواب دینا وغیرہ، مگر اس زندگی میں وہ سب امور مترتب نہیں ہو سکتے جو دنیا کی حیاتِ معروفہ پر مترتب ہوتے ہیں۔

۴۳۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ بھی نبی کریم کی قبر شریف میں حیاتِ مقدسہ کے قائل ہیں، مگر اسی روحِ پاک کے وجود انور سے تعلق والی نوعِ حیات کے! نہ کہ قبلِ وفات والی حیات کے! اس کے متعلق تو وہ لکھتے ہیں :-

لوکانَ حیًّا فی الضَّرِیْحِ حیاتَہٗ قَبْلَ الْمَمَاتِ بِغَیْرِ مَا فُرْقَانِ مَا کانَ تَحْتَ الْاَرْضِ بَلْ مِنْ فَوْقِهَا وَاللّٰهِ هٰذَا سُنَّۃُ الرَّحْمٰنِ [3]

اگر حضور پاک قبر (مبارک) میں بلا فرق (بالکل) قبل وفات کی حیات زندہ ہوتے۔ تو زمین کے نیچے نہ ہوتے بلکہ زمین کے اوپر تشریف فرما ہوتے، خدا کی قسم! رحمٰن کی سنت یہی ہے۔

---

[1] "فتح الباری" جلد ۶ ص ۳۱۲ ("تسکین الصدور" ص ۱۳۹) [2] "روح المعانی" جلد ۲۲ ص ۳۶ ("تسکین الصدور" ص ۱۳۹، ۱۴۰)

[3] "قصیدہ نونیہ" مطبوعہ مصر فصل فی الکلام فی حیاۃ الانبیاء فی قبورہم۔

۲۔ حیاتِ مقدسہ جسمانی ہے یا روحانی؟

۴۱۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے اور ثابت ہو چکا ہے کہ قبر میں عامۃ المسلمین ہی نہیں بلکہ عامۃ النّاس کو ایک گونہ حیات حاصل ہے جس سے ان کا جسم راحت و کلفت، آلام و آرام محسوس کرتا ہے،

جب عامۃ النّاس کے لئے قبر میں جسمانی زندگی ثابت ہے تو حضرات انبیاء علیہم السّلام خصوصاً امام الانبیاء والمرسلین کے لئے جسمانی حیاتِ مقدسہ میں کسی کو کیا کلام ہو سکتا ہے۔

۴۲۔ اس باب میں امام اہلِ سنّت امام ابوالحسن اشعری (م ۳۳۰ھ) امام ابوالقاسم القشیری (م ۴۶۵ھ) علامہ ابن عقیل (م ۵۱۲ھ) علامہ سخاوی (م ۹۰۲ھ) علامہ جلال الدین السیوطی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری شارح ابوداؤد رحمہم اللہ ایسے جبالِ علم وعرفان کے جو اقوال نقل کئے گئے ہیں، سب میں حیٌّ فی قبرہٖ کے الفاظ ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ قبر میں مدفون ومحفوظ جسمِ اقدس ہے یا روحِ اطہر؟ اگر مزارِ پرانوار میں جسمِ اقدس واطہر مدفون ہے تو پھر قبر مبارک میں حضورؐ کی حیات بھی جسمانی ہے؟

۴۳۔ امام ابومنصور طاہر بغدادی (م ۴۱۹ھ) نے محقق متکلمین کا قول نقل کیا ہے کہ حیٌّ بعد وفاتہٖ یعنی آپؐ وفات کے بعد زندہ ہیں۔ تو وفات جسم پاک نے پائی یا روح مقدس نے؟ جب وفات جسم پاک نے پائی۔ تو وفات کے بعد حیات بھی جسم پاک کو حاصل ہے۔

۴۴۔ روحانی حیات کی بحث ہی کتنی غلط ہے، روح تو زندہ ہی زندہ ہے۔ سب کا زندہ ہے۔ اس پر تو موت وارد ہی نہیں ہوئی تقریبِ قیامت میں وارد ہوگی بحث تو جسم کی زندگی اور حیات کی ہے۔ جس کو وفات لاحق ہوئی ہے۔ موت وحیات کا تعلق ہی جسم سے ہے۔ مردہ وہی ہے جس کا جسم مُردہ ہے اور زندہ وہی ہے جس کا جسم زندہ ہے۔ روح کی موت وحیات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۴۵۔ اسی باب میں امام ابن قیم اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی[۱] رحمہما اللہ کے اقوال نقل کئے گئے ہیں۔ ان میں صراحت ہے کہ روح کا اتصال بالبدن فی القبر ہے یا اشراف علی البدن یا اشراق وتعلق بالبدن ہے۔ تو جب روح کا تعلق بدن شریف سے ہے۔ جس سے حضورؐ سلام

---

[۱] دوسرے ائمہ دین کے ارشادات بھی روحِ اقدس کے جسم اطہر سے تعلق واتصال کے بارے میں اسی کتاب کے اندر منقول ہیں۔

کہنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں تو زندہ بھی یہی بدن مبارک اور جسم اطہر ہے۔ آپؐ کو قبرِ انور میں جسمانی حیات حاصل ہے۔

تو یہ حقیقت ہے کہ آپؐ کی جس حیات پر امت کا اتفاق ہے وہ حیاتِ جسمانی ہے۔

حیاتِ دنیوی! اور چونکہ حیات اسی جسمِ اقدس کو حاصل ہے۔ جو دنیا میں تھا اس لئے ہمارے بعض اکابرِ دیوبند رحمہم اللہ اور دوسرے اکابر و مشائخِ امت نے رحمہم اللہ اسے بعض موقعوں پر دنیوی حیات یا دنیا کی سی حیات سے تعبیر فرما دیا۔

چونکہ بعض شریفوں نے دوسرے جسم ایجاد کر کے آپ کی حیات اس ایجادی جسم کی طرف منسوب کر دی اور قبرِ اقدس میں جسدِ اطہر کی حیاتِ مقدسہ کا انکار کر دیا۔ ہمارے اکابر کی فراستِ ایمانی ملاحظہ ہو کہ انہوں نے مدتوں پیشتر یہ فرما دیا کہ آپؐ کو جو حیات مقدسہ حاصل ہے وہ کسی اور ایجاد کردہ جسم کے ساتھ نہیں بلکہ اسی دنیا والے جسمِ پاکؐ کو حیات حاصل ہے۔ اس حقیقت کو انہوں نے آپؐ کی دنیوی حیات یا دنیا کی سی زندگی سے تعبیر کر دیا۔ ورنہ اس حقیقت سے کس مسلمان کو انکار ہو سکتا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبرِ اقدس میں جو حیاتِ طیبہ حاصل ہے وہ اُخروی حیات ہے، برزخی حیات ہے۔ دنیوی زندگی نہیں جب حضورؐ دنیا سے تشریف لے گئے، عالمِ دنیا سے عالمِ آخرت کو انتقال فرمایا تو اب دنیوی زندگی کا کیا سوال؟ ہاں زندگی آپؐ کو حاصل ہے۔ آپؐ زندہ ہیں اور آپؐ کی یہ زندگی اور حیات جسمانی ہے اور جسم بھی وہی جو دنیا میں تھا نہ کہ کوئی دوسرا مخترعہ جسم، صلی اللہ علیہ وسلم۔

چنانچہ قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کے درج ذیل بیان میں یہ حقیقت واشگاف اور غیر مبہم الفاظ میں موجود ہے، فرمایا:۔

انبیاء کرام علیہم السلام کو انہیں اجسامِ دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں یہ نہیں کہ مثل شہداء ان ابدان کو چھوڑ کر اور ابدان سے تعلق ہو جاتا ہے (در لطائف قاسمی" مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳)

پھر فرمایا:۔ انبیاء علیہم السلام کو ابدانِ دنیا کے حساب سے زندہ سمجھیں گے" (لطائف قاسمی ص۲)

لہ کہیں یہ نہ سمجھا جائے جیسا کہ بعض لوگ افترا کرتے ہیں کہ حضرت قدس سرہٗ نبی کریمؐ کی وفات کے منکر ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ:۔
بر حسب ہدایت کل نفس ذائقۃ الموت اور انک میت وانھم میتون تمام انبیاء کرام علیہم السلام خاص کر حضرتِ سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت موت کا بھی اعتقاد ضرور ہے (لطائف)

بہرحال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبرِ انور میں بجسدِ عنصری زندہ ہیں اور آپ کی حیات جسمانی ہے۔

نبیرۂ حضرت قاسم العلوم مخدوم العلماء حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ فرماتے ہیں :-

احقر اور احقر کے مشائخ کا مسلک وہی ہے جو المہند میں بالتفصیل مرقوم ہے یعنی برزخ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء بجسدِ عنصری زندہ ہیں [1]

مفتیٔ اعظم استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ تحریر فرماتے ہیں :-

جمہور امت کا عقیدہ اس مسئلہ میں یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام برزخ میں جسدِ عنصری کے ساتھ زندہ ہیں، ان کی حیاتِ برزخی صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی حیات ہے۔ [2]

خلاصہ الحمدللہ کہ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی قبرِ اقدس میں حیاتِ مبارکہ باجماعِ امت ثابت ہے اور اس میں عموماً کسی قابلِ ذکر شخصیت کا اختلاف منقول و معلوم نہیں۔ اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ اس حیاتِ مقدسہ کی نوعیت کیا ہے؟ یہ حیاتِ مقدسہ افرودی حیات ہے۔ اور جسمانی حیات ہے مگر حیاتِ معروفہ دینویہ سے مغائر۔ حیات قبل الوفات کی نوعیت دوسری تھی اس میں روح پاک وجودِ پاک کے اندر تھا۔ حیات بعد الوفات کی نوعیت اور ہے اس میں روح پاک کا اتصال و تعلق وجودِ اقدس کے ساتھ ہے۔ باقی روح پاک اعلیٰ علیین، رفیقِ اعلیٰ میں ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضور کی حیات فی القبر حضرات شہداء بلکہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی ارفع و اعلیٰ و اتم و اکمل ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

---

[1] "مقامِ حیات" از علامہ خالد محمود صاحب ص ۲۵۵ [2] ایضاً ص ۲۶۵



قبرِ اقدس پر صلوٰۃ وسلام کا سماع وجواب!

(اللھم صلّ علیٰ سیّدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین)

جب دلائل سے یہ بات بتواتر ثابت ہوگئی کہ عام موتیٰ حتیٰ کہ کفار ومشرکین ومنافقین کو بھی قبر میں ایک نوع کی غیر حقیقی زندگی حاصل ہے، اور فی الجملہ ان کے لئے قبر میں سماع بھی ثابت ہے، عام موتیٰ عالمِ برزخ میں سلام کرنے والے کا سلام سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں اور یہ سب کچھ حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی احادیث سے ثابت ہے۔

تو پھر قبرِ اقدس پر امام المرسلین سید الانبیاء علیہم وعلیٰ نبیّنا الصلوٰۃ والسلام کے سماع وجوابِ سلام میں بحث کا کیا جواز ہے؟ آخر جو چیز عامّۃ النّاس کے لئے ثابت ہے وہ حبیبِ خدا محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لئے کیوں محلِ بحث وکلام ہے۔؟

اگر حق وعدل کی نگاہ سے دیکھا جائے تو نبی کریمؐ کے سماعِ سلام وجوابِ سلام کے انکار کا اصولی طور پر بھی کوئی جواز نہیں، اگر اس مسئلہ پر کوئی خاص دوسری دلیل نہ بھی ہو تو بھی عمومی دلائل کتاب وسنّت اور اجماعِ امت سے سماع وجوابِ سلام ثابت اور حق ہے۔ چہ جائیکہ اس موضوع پر دوسرے دلائل بھی موجود ہیں۔ اور کتبِ احادیث میں متعدد مشہور احادیث اس باب میں مروی ومنقول ہیں مثلاً۔

۱:۔ بروایت حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم:۔

تمہارے تمام دنوں میں سے افضل جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن آدمؑ پیدا کئے گئے، اسی دن ان کی روح قبض ہوئی۔ اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن قیامت کی بے ہوشی ہوگی۔ پس جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو۔ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ مَعْرُوْضَۃٌ عَلَیَّ بیشک تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ جب آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے تو ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا۔؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔

إن الله عز وجل حرم على الأرض أجساد الأنبياء - رواه ابو داؤد والنسائی وابن ماجه والدارمی والبیہقی فی الدعوات الکبیر[1]

(بیشک اللہ رب العزت نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو دکھائے)

علاوہ ازیں یہ حدیث مسند احمد، مستدرک حاکم، طبرانی، ابن حبان، ابن خزیمہ، مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن سعید بن منصور میں بھی مروی ہے۔[2]

حاکم (متوفی ۴۰۵ھ) نے اس حدیث کو بخاری اور مسلم دونوں کی شرط پر صحیح کہا ہے[3]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو امام ابن خزیمہ، ابن حبان، دارقطنی اور نووی نے صحیح کہا ہے[4]

پھر امام ابن قیم رحمہ اللہ رقمطراز ہیں :-

اس حدیث کے لئے حدیث ابو ہریرہ والو درداء و ابوامامہ و ابومسعود وانس و مالک اور حسن رضی اللہ عنہم بطور شواہد ہیں، جن کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے[5]

علامہ خالد محمود صاحب رقمطراز ہیں :-

(ان) ائمہ کبار اور محدثین کرام نے اس حدیث کی تصحیح فرمائی ہے اور اسے تسلیم کیا ہے :-

۱- امام احمد - ۲- ابو داؤد - ۳- نسائی - ۴- ابن حبان - ۵- ابن خزیمہ - ۶- دارقطنی - ۷- نووی ۸- ابن دحیہ - ۹- ابن کثیر - ۱۰- امام ابن تیمیہ - ۱۱- حافظ ابن قیم - ۱۲- علامہ ذہبی - ۱۳- شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی - ۱۴- علامہ عینی - ۱۵- حافظ سخاوی - ۱۶- علامہ طیبی - ۱۷- ملا علی قاری - ۱۸- علامہ سمہودی ۱۹- محدث دہلوی (شاہ ولی اللہ) - ۲۰- قاضی شوکانی - ۲۱ حجۃ الاسلام امام انور شاہ کشمیری وغیرہم من الاکابر رحمہم اللہ تعالیٰ[6]

اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام و ابدانِ مطہرہ قیامت تک اپنی اپنی قبور مبارکہ میں بالکل محفوظ ہیں، بحکم الٰہی مٹی ان کے جسم کو نہیں کھا سکتی۔ اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں - دوسری بات یہ کہ یہ اجسام و ابدانِ مطہرہ

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب الجمعہ [2] "مقام حیات" از علامہ خالد محمود طبع اول ص ۴۲ [3] مستدرک حاکم جلد ۴ ص ۵۶۰
[4] "تفسیر ابن کثیر" جلد ۳ ص ۵۱۴ ("تسکین الصدور" ص ۱۶۷) [5] "ترجمہ جلاء الافہام" ص ۳۸
[6] "مقام حیات" ص ۲۷

محض بے حس وشعور اگراماً محفوظ نہیں بلکہ ان پر صلوٰۃ وسلام بھی پیش ہوتا ہے ۔ اور بہ ظاہر ہے کہ بے جان و بے روح جسم پر درود پیش ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اگر بے جان جسدِ اطہر پر درود پیش ہونے کا امکان ہوتا تو صحابہ کرامؓ یہ سوال ہی کیوں کرتے کیف تعرض صلوٰتنا علیك وقد ارمت ؟

علاوہ ازیں اس مضمون کی بھی احادیث ہیں کہ :-

۲ :- انّ للّٰہ ملائکۃً سیاحین فی الارض یُبلّغونی من امّتی السلام ۔ رواہ النسائی والدارمی[1]

بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین میں سیاحت کرتے رہتے ہیں جو میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں

امام سخاویؒ فرماتے ہیں اس حدیث کو امام احمدؒ نسائیؒ، دارمی، ابو نعیم، بیہقی، خلعی، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم کہتے ہیں کہ یہ صحیح الاسناد ہے (القول البدیع ص ۱۱۵) تسکین الصدورؒ ص ۱۸۲

پھر یہ بھی ارشاد فرمایا :- صلی اللہ علیہ وسلم

۳ :- ما من احد یسلّم علیّ الا ردّ اللہ علیّ روحی حتی اردّ علیہ السلام ۔

رواہ ابوداؤد والبیہقی فی الدعوات الکبیر[2]

جب بھی کوئی میرے اوپر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف متوجہ فرما دیتے ہیں یہاں تک کہ میں اس پر واپس سلام کہتا ہوں ۔

امام سخاویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام احمدؒ ابو داؤدؒ طبرانی اور بیہقی نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے بلکہ امام نوویؒ نے کتاب الاذکار وغیرہ میں اس کی تصحیح کی ہے "القول البدیع" (تسکین الصدورؒ ص ۱۵۷)

۴ :- بروایت ابوہریرہؓ ارشاد فرمایا :- صلی اللہ علیہ وسلم

وصلّوا علیّ فانّ صلوٰتکم تبلغنی حیث کنتم ۔ رواہ النسائی[3]

میرے اوپر درود پڑھو بیشک تم جہاں بھی ہو تمہارا درود مجھے پہنچایا جاتا ہے ۔

۵ :- مسند عبد الرزاق اور ابو یعلیٰ میں بھی یہی روایت ہے مگر اس کے الفاظ یہ ہیں فانّ تسلیمکم یبلغنی اینما کنتم (وفاء الوفاء جلد ۲ ص ۴۱۶)

۶ :- ارشاد فرمایا :- صلی اللہ علیہ وسلم

من صلّی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلّی علیّ نائیاً ابلغتہ ۔ رواہ البیہقی[4]

جو میری قبر پر میرے اوپر درود پڑھے اسے میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے ۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح" باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بروایت ابن مسعودؓ [2] ایضاً بروایت ابوہریرہؓ [3] ایضاً [4] ایضاً

ان احادیث کے مطابق امت کا قریبا قریبا اجماعی ایمان و یقین ہے کہ نبی کریمؐ قبر شریف پر پیش کردہ سلام کو خود سماعت فرماتے ہیں اور اگر کوئی دور سے درود پڑھے تو فرشتے پہنچا دیتے ہیں :۔

حتیٰ کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اور آپ کے نامور تلمیذ امام ابن قیم رحمہما اللہ ایسے حضرات بھی جو شرک و بدعات کے بارے میں بڑے حساس بلکہ فی الجملہ متشدد ہیں، سماعِ سلام عند قبرہ الشریف کے قائل ہیں اور انہی احادیثِ نبویہ کی بنا پر :

چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں :۔

۱ :۔ وَهُمْ اَحْيَاءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ وَيُسْتَحَبُّ اِتْيَانُ قُبُوْرِهِمْ بِالسَّلَامِ عَلَيْهِمْ [۱]

(حضرات انبیاء علیہم السلام) اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی قبروں پر سلام کہنے کے لئے آنا مستحب ہے۔

۲ :۔ فَاَخْبَرَ اَنَّهٗ يَسْمَعُ الصَّلٰوةَ وَالسَّلَامَ مِنَ الْقَرِيْبِ وَاَنَّهٗ يُبَلَّغُ ذٰلِكَ مِنَ الْبَعِيْدِ [۲]

حضورؐ نے خبر دی کہ آپ قریب سے پڑھے ہوئے صلوٰۃ و سلام کو خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا ہوا پہنچایا جاتا ہے۔

۳ :۔ آپ کے تلمیذِ ارشد امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں :۔

وَبَعْدَ وَفَاتِهٖ استقرت فی الرفیق الاعلیٰ مع ارواح الانبیاء ومع هٰذَا فَلَهَا اِشْرَافٌ عَلَى الْبَدَنِ وَاِشْرَاقٌ وتعلقٌ بِهٖ بِحَيْثُ يَرُدُّ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ سَلَّمَ عَلَيْهِ [۳]

آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کی روح مبارک دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام کی ارواح کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں ہونے کے باوجود بدن مبارک پر اس کا پرتو اور روشنی پڑتی ہے اور روح پاک کا بدن اطہر سے اس طرح کا تعلق ہے کہ آپ سلام کہنے والے (کا سلام سماعت فرما کر اس) کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

اسی طرح وطنِ عزیز میں امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ اور آپ کے مسترشدین و متعلقین کبار شید تلامیذ و خلفاء جو شرک و بدعات کے استیصال و بیخ کنی میں تشدد کی حد تک مشہور ہیں۔ وہ بھی عند القبر حضور کریمؐ کے سماعِ سلام کے قائل ہیں۔ چنانچہ :۔

۴ :۔ راس الاتقیاء استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین صاحب خلیفۂ اعظم امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں :۔

---

[۱] مجموعہ رسائل ابن تیمیہ "قاعدہ فی المعجزات والکرامات" ص ۴۷ [۲] "مناسک الحج" ص ۴۸ مطبوعہ دہلی (و "تسکین الصدور" ص ۱۷۵)
[۳] زاد المعاد جلد ۲ ص ۹۴ (و "تسکین" ص ۱۵۲)

شہداء کے حق میں قرآن کا اعلان احیاءٌ حیاتِ میت کی دلیل ہے اسی حقیقت کے ساتھ سردارِ انبیاء خاتم النّبیین صلّی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں زندہ ہیں۔ اور جو حیات ان کی شان کے مناسب ہے اللہ نے قبر میں وہ حیات ان کو دی ہے۔ جسدِ اطہر قبر شریف میں محفوظ ہے مٹی کوئی اثر جسدِ اطہر پر نہیں کرسکتی۔ اگر قبر کے پاس کوئی مسلمان درود شریف جہراً سلام ڈالے تو حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اور اگر کوئی دور سے درود شریف پڑھے تو فرشتے رسولِ اکرمؐ کے پاس پہنچاتے ہیں۔

میں اس مسئلہ کو حق اور صحیح سمجھتا ہوں، احادیث شریف، فقہائے عظام، سلف صالحین سے بھی اس مسئلہ کی حقانیت اور صحت ثابت ہے۔

میں نے مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلہ کا کبھی اختلاف نہیں سنا اور نہ میں نے کبھی ان سے یہ پوچھا تھا۔ یہ تو اہلِ سنّت والجماعۃ کا ایک متفقہ حق مسئلہ ہے۔ مسکین نصیرالدین غورغشتوی[۱]

۵ :۔ حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہ، حضرت قاضی نور محمد صاحبؒ، حضرت مولانا غلام اللہ خاں صاحب :۔

وفات کے بعد نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جسدِ اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اسی حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپؐ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں،

احقر محمد طیب واردحال راولپنڈی ۲۲ جون ۱۹۶۲ء۔ لاشئ (مولانا) غلام اللہ خاں، (مولانا قاضی) نور محمد خطیب جامع مسجد قلعہ دیدار سنگھ[۲]

۶ :۔ ہندوستان میں اہل حدیث کے امام، محدثِ اعظم حضرت میاں نذیر حسین صاحب دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :۔

حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں خصوصاً آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کہ فرماتے ہیں جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے۔ میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔ چنانچہ مشکوٰۃ وغیرہ کتب حدیث سے واضح ہوتا ہے لیکن کیفیت حیات کی ان کی اللہ تعالےٰ جانتا ہے اور دل کو اس کی کیفیت بخوبی معلوم نہیں[۳]

کیفیّت کے بارے میں تو سارے اکابر یہی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور کیفیّت میں بحث کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اجمالی طور پر ایمان کافی ہے۔

---

[۱] "مقام حیات" ص ۷۰۰، [۲] ماہنامہ "تعلیم القرآن" راولپنڈی ـــــــ بابت ماہ اگست ۱۹۶۲ء، [۳] ضمیمہ فتاوی نذیریہ" جلد ۲ ص ۵۵

اور تو اور وہابی نجدی بھی اس کے قائل ہیں ۔

۷۷ ۔ چنانچہ علمائے نجد کے ایک ممتاز عالم علّامہ عبدالحمید خطیب جو پاکستان میں حکومتِ سعودیہ کے سفیر رہ چکے ہیں، اور حکومتِ سعودیہ کی مجلسِ شوریٰ کے رکن بھی، انہوں نے نبیؐ کریم کی شان میں ایک قصیدہ لکھا ہے ۔ اس قصیدہ کا نام تحیۃ للحبیبؐ ہے اور وہ مصر میں طبع ہو چکا ہے ۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :-

وصلّٰی والملائکۃُ من قدیم
علیہ اللّٰہُ فی الرُّسُلِ الکرام
وَقَالَ عَلَیْہِ صَلّوا یَاعِبَادِیْ
وَزِیْدُوْا فِی التَّحِیَّۃِ والسّلام
لھٰذا یا رسولَ اللّٰہِ اِنّی
اَتَیْتُ مُقَدِّمًا کلَّ احترام
وَحَسْبِیُ ان تردَّ علیٰ سلامی
بِنَفْسِکَ یا حبیبی بالسّلام
عَلَیْکَ سَلَامُ اللّٰہِ یا سَیِّدَ الورٰی
ومن قدرہٗ عِنْدَ الْاِلٰہِ عَظِیْم
وَفِیْ مَسْجِدِیْ یَاقَوْمِ صَلُّوْا وَسَلِّمُوْا
عَلَیَّ فَاِنِّیْ بِالسَّلَامِ عَلِیْم
اردُّ علیکم بالسّلامِ فَخَالِقِیْ
یَرُدُّ اِلَیَّ الرُّوْحَ وَھُوَ حَکِیْم
وَکَانَ ابْنُ فَارُوْقٍ یجیٔ اِذَا اَتٰی
اِلَیْہِ مِنَ الْاَسْفَارِ وَھُوَ یَھِیْم
ولم یعترض یومًا علیہ صحابہ
وھٰذَا دَلِیْلٌ لِلْجَوَازِ قَوِیْم[1]

حضرات رسولوں میں سے آپ پر اللہ تعالیٰ زمانہ قدیم سے رحمت فرماتے رہے ہیں اور فرشتے رحمت کی دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اے میرے بندو! میرے رسولؐ پر درود پڑھو اور ہدیہ سلام پیش کرو، یا رسول اللہ! میں اسی لئے بصد احترام آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں ۔ اے میرے حبیب! میرے لئے یہی کافی ہے کہ میرے سلام کے جواب میں آپ مجھے سلام کہیں اے سید کائنات! آپ پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہو آپ کی بارگاہِ الٰہی میں بڑی قدر و منزلت ہے ۔ اے مسلمانو! میری مسجد میں میرے اوپر درود و سلام کہو ۔ بیشک میں درود و سلام سنتا ہوں پھر میرا خالق میری روح میری طرف متوجہ فرما دیتا ہے تو میں تمہارے سلام کا تمہیں جواب دیتا ہوں اور حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ جب سفر سے واپس آتے تو وہ بالارادہ روضۂ رسولؐ پر آتے (اور سلام کہتے) اور کسی صحابی نے ان پر اعتراض نہ کیا تو یہ اس عمل پر پختہ دلیل ہے ۔

---

[1] "رحمتِ کائنات" ص ۲۳۵ و ۲۳۶ از حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب

۴۸۔ خود بانی جماعت عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ لکھتے ہیں:۔

"ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ مطلقاً ساری مخلوق سے اعلیٰ ہے۔

وَاَنَّہٗ حَیٌّ فِیْ قَبْرِہٖ حیٰوۃً مُسْتَقِرَّۃً اَبْلَغُ من حیٰوۃ الشہداء المنصوص عَلَیْھَا فِی التَّنْزِیْلِ اذھو اَفْضَلُ مِنْھُمْ بَلَا رَیْبٍ وَاِنَّہٗ یَسْمَعُ مَنْ یُسَلِّمُ عَلَیْہِ ؎۱

اور بیشک آپ اپنی قبر میں حیاتِ دائمی سے زندہ ہیں شہداء کی زندگی سے اعلیٰ وارفع جس کا ثبوت (خود) قرآن کریم سے ہے جبکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلاشک وشبہ شہداء سے افضل ہیں، اور جو شخص آپ پر (عندالقبر) سلام کہے آپ اسے سنتے ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر مدظلہٗ لکھتے ہیں:۔

بلاخوفِ تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تقریباً ۱۳۷۴ھ تک اہلسنّت والجماعۃ کا کوئی فرد کسی بھی فقہی مسلک سے وابستہ دنیا کے کسی خطہ میں اس کا قائل نہیں رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی روح مبارک کا جسم اطہر سے قبر شریف میں کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور آپ عندالقبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے۔ کسی اسلامی کتاب میں عام اس سے کہ وہ کتاب حدیث وتفسیر کی ہو یا شرح حدیث اور فقہ کی، علم کلام کی ہو یا علم تصوف وسلوک کی، سیرت کی ہو یا تاریخ کی، کہیں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر نہیں کہ آپ کی روح مبارک کا جسمِ اطہر سے کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور یہ کہ آپ عندالقبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے ؎۲ تسکین الصدور ص ۱۵۵)

حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کی وسعتِ مطالعہ، اور ان کے علم کے عمق وتبحر کے پیش نظر تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کا یہ ارشاد صحت وحقیقت پر مبنی ہے۔ اور کوئی مسلمان حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے وجودِ اطہر کے ساتھ روح انور کے تعلق واتصال یا مزار پرانوار پر آپ کے سلام سننے اور جواب دینے کا انکار کر بھی کیسے سکتا ہے جبکہ یہ دونوں باتیں عام موتٰی کے لئے ثابت ہیں۔

منشاءِ انکار! جن اصحاب نے اس کا انکار کیا ہے۔ غالباً ان کے انکار کا منشاء وباعث یہ ہے کہ قبر اقدس پر الصّلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ! نداء ہے، نداء لغیر اللہ ہے اور نداء لغیر اللہ شرک ہے۔

مگر یہ ان کا وہم و وسواس ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ نداء نہیں ادعاء ہے۔ کوئی شک نہیں کہ نداء لغیر اللہ ممنوع، حرام اور شرک ہے۔ مگر یہاں نداء ہے کہاں؟ یہاں تو دعاء ہے! اور نداء و دعاء

؎۱ "اتحاف النبلاء" مطبوعہ کانپور ص ۴۱۵ (۲) "تسکین الصدور" ص ۱۴۳)

ہیں زمین آسمان کا فرق ہے۔ سوالہ آپنے تضاد وخلاف ہے ۔

۱۔ نداء لغیر اللہ اپنے لئے ہوتی ہے اور غیر اللہ سے جلبِ منفعت یا دفع مضرت کی غرض سے کی جاتی ہے۔ بخلاف اس کے ؛۔

دعاء مدعو لہ کے لئے ہوتی ہے۔ اور دوسرے کے نفع کے لئے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی جاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ نداء سے مقصود غیر اللہ سے کچھ لینا ہوتا ہے اور دعا سے مقصود انہیں کچھ دینا ہوتا ہے۔

۲ ؛۔ نداء لغیر اللہ کا منشاء غیر اللہ کے تصرف و اقتدار و اختیار کا تصور ویقین ہے جو شرک ہے اور دعا کا منشاء مدعو لہ کی بے اختیاری واحتیاج ہے ۔ جو توحید کی اساس ہے ۔

۳ ؛۔ نداء لغیر اللہ شرعاً ممنوع اور حرام ہے اور قرآنِ کریم میں جا بجا اس کی نہی وممانعت موجود ہے۔ اور رسولِ کریم کے لئے رحمت وسلامتی کی دعاء صلوٰۃ وسلام مستحب و مستحسن اور مامور ومسنون ہے، کتاب اللہ میں اس کا واضح امر وارشاد ہے ؛۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

(پارہ ۲۲ ۔ سورہ احزاب)

بیشک اللہ تعالےٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں نبیؐ پر اے ایمان والو تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو۔ اور خوب سلام بھیجا کرو ۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ لکھتے ہیں ؛۔

اللہ تعالیٰ کا رحمت بھیجنا تو رحمت فرمانا ہے۔ اور مراد اس سے رحمتِ خاصہ ہے۔ اور فرشتوں کا رحمت بھیجنا اور اسی طرح جس رحمت کے بھیجنے کا ہم کو حکم ہے' اس سے مراد اسی رحمتِ خاصہ کی دعا کرنا ہے۔ اور اسی کو ہمارے محاورے میں درود کہتے ہیں ۔ درود پڑھنے سے جہاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتبِ عالیہ ومدارجِ رفیعہ میں مزید ترقی ہوگی۔ وہاں دعا کرنے والے پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں ۔

تو درود تو ہادیٔ اعظم، رحمتِ عالم، محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعاء و درخواست ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم وامر کی اطاعت اور رب العزت کی عبادت ہے اس میں غیر اللہ کی عبادت اور شرک کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جہاں نداء لغیر اللہ ممنوع اور منہی عنہ ہے وہاں صلوٰۃ وسلام بھیجنا شرعاً مطلوب اور مامور بہ ہے۔ حیرت ہے کہ پڑھے لکھے لوگ دونوں کو ایک ہی سطح پر کیسے رکھ کر درود کو داعیۂ شرک سمجھنے لگے ہیں ۔

باقی اگر کوئی کہے کہ درود پڑھنا، ہدیۂ صلوٰۃ وسلام پیش کرنا تو صحیح ہے لیکن یہ خیال ویقین کہ حضور کریمؐ ہمارے صلوٰۃ وسلام کو سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں یہ دواعی شرک میں سے ہے تو جواباً عرض ہے کہ سلام سننا اور جواب تو ہر صاحبِ قبر کیلئے باحادیثِ صحیحہ ثابت ہے (جیسا کہ اپنے موقع محل پر اس پر واضح بحث ہو چکی ہے) تو پھر خاص ،

اللہ کے محبوب رسولؐ کا صلوٰۃ وسلام کا سماع و جواب کیوں داعیۂ شرک بن جاتا ہے؟

داعیۂ شرک اہلِ قبور کا مطلق سماع وجوابِ سلام نہیں یہ تو سنتِ رسولؐ سے ثابت ہے۔ داعیۂ شرک یہ تصور و یقین ہے کہ اہلِ قبور ہماری پکار، فریاد، درخواست، آہ وزاری اور طلب کو سنتے ہیں اور سن کر ہماری حاجتیں پوری کرتے ہیں ہمیں نفع پہنچاتے ہیں، ضرر اور نقصان سے بچاتے ہیں، وغیرہ وغیرہ چنانچہ کتاب اللہ قرآنِ کریم میں جہاں نداء لغیر اللہ سے روکا گیا ہے وہاں ان سے نفع نقصان پہنچانے کی واضح نفی فرمائی گئی ہے۔ مثلاً:-

۱:- وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ (پارہ ۱۱ سورۂ یونس)

اور خدا کے سوا اس کو مت پکارنا جو تجھے نفع پہنچا سکے نہ نقصان۔

۲:- وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ (سورۂ فاطر)

اور اللہ کے سوا تم جن کو پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے پردے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔

۳:- اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ۔ (پارہ ۱۷، سورہ حج)

بلاشبہ خدا کے سوا تم جن کو پکارتے ہو وہ ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے گو سب کے سب (کیوں نہ) جمع ہو جائیں۔

تو شرک کی بنیاد و اساس اہلِ قبور کو سلام کہنا اور انکے سننے کا یقین نہیں۔ یہ تو سنتِ ثابتہ ہے۔ شرک کی اساس یہ تصور ہے کہ اہلِ قبور نفع نقصان کے مالک ہیں، صاحبِ اختیار و تصرف ہیں۔ ہماری آہ و فغاں اور نداء و فریاد سن کر ہمارے دکھ درد دور کرتے ہیں، ہمیں بیٹا بیٹی دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ایک سچا مسلمان جو گنبدِ خضراء پر جاکر ہدیۂ صلوٰۃ و سلام پیش کرتا ہے، اس کے حاشیۂ فکر و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ اللہ کے محبوب رسولؐ صاحبِ اختیار و تصرف اور نفع و ضرر کے مالک ہیں، پھر اسکا سلام و صلوٰۃ عرض کرنا کیسے شرک ہو گیا؟ اور اگر کسی بدقسمت کا یہی یقین ہے اور وہ اسی زعمِ باطل پر قبرِ مطہر کے سامنے اپنی دنیوی حاجات و مصائب عرض کرتا ہے کہ حضورؐ سن کر حاجتیں پوری کریں گے اور مصیبتیں دور فرما دیں گے تو وہ بلاشبہ مشرک ہے۔ مگر اس کا باعث سماعِ سلام و جوابِ سلام کا تصور نہیں۔ یہ اس کا قلبی مرض اور دلی روگ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے، آمین۔

یا رسول اللہ | اگر یہ کہا جائے کہ درود شریف تو دعائے رحمت ہے لیکن روضۂ اقدس پر بصیغہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ سلام پیش کرنا تو نداء لغیر اللہ ہے، یا حرفِ نداء ہے اور یا رسول اللہ کہنے سے نداء لغیر اللہ لازم آتی ہے۔ سو عرض ہے کہ ہر نداء لغیر اللہ تو ممنوع اور شرک نہیں۔ شرک صرف وہ نداء لغیر اللہ ہے جو غائب کیلئے ہو اور اسے نافع و ضار سمجھتے ہوئے پکارا جائے۔ حاضر و موجود کو بلفظِ یا خطاب بالاتفاق جائز ہے۔ یہ نہ منع ہے نہ شرک ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

قرآنِ کریم میں حضرات انبیاء علیہم السلام کو بلفظِ یا خطاب فرمایا گیا ہے۔ یا ابراہیمؑ، یا زکریاؑ، یا موسیٰؑ وغیرہم۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور یا رسول اللہ سے خطاب کرتے۔ حدیثِ جبرئیلؑ میں ہے یا محمد اخبرنی عن الاسلام۔ اس لئے خطاب اور نداء یا الیہ کے ظاہر کا احساس مشکل و متعذر ہے۔ الغرض حاضر کے لئے بلفظ یا خطاب ممنوع نہیں۔

پھر یہ متفق ہے کہ روضۂ اقدس میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کو فی الجملہ حیات حاصل ہے اور آپ زائر کا سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ تو اب روضۂ اطہر پر الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنا گویا ایسا ہے جیسا کہ حضرات صحابہؓ کا مجلسِ اقدس میں حاضر ہو کر یا رسول اللہ کہنا۔ پس جب صحابہ کرامؓ کا بصیغہ یا خطاب شرک نہیں تو زائر کا یا کہنا کیوں شرک ہو گیا؟ خصوصاً جبکہ وفات شریف کے بعد

حضراتِ صحابہ کرامؓ کا آپؐ پر اسی طرح سلام کہنا ثابت ہے [حضرت ابن عمرؓ سفر پر جاتے اور واپس آتے وقت مسجد نبوی میں داخل ہوتے نماز پڑھتے۔

ثُمَّ اَتٰی قبرَ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَا بَکْرٍ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَتَاہ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۴ ص ۱۳۸) | پھر نبی کریمؐ کے روضہ پاک پر حاضر ہوتے اور کہتے السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا ابابکر اور السلام علیک اے ابا جان،

اسے عبدالرزاق نے بھی صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے (وفاء الوفاء للسمہودی جلد ۲ ص ۱۰۴۱)] سلہ

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ نے حضرت انسؓ وغیرہ صحابہؓ کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں :-

وَقَدْ کَانَ الصَّحَابَۃُ کابن عمر وانس وغیرہما یُسَلِّمُوْنَ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی صاحبیہ کما فی الموطا ان ابن عمر کَانَ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ یقول السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا ابابکر السلام علیک یا ابت سلہ

بہرحال روضۂ رسولؐ پر حضرات صحابہ کرامؓ کا السلام علیک یا رسول اللہ کہنا ثابت ہے اور اس پر کسی صحابی کا اعتراض و نکیر ثابت نہیں۔

پھر ہم مسئلہ توحید میں ایسے ذکی الحس کیوں ہو گئے ہیں کہ جس صیغۂ خطاب سے اجلہ اصحابِ رسولؐ کو شرک کا وہم تک نہیں ہوتا ہمیں اسی لفظ سے شرک کا یقین ہو جاتا ہے، یہ توحید نہیں، افراط اور غلو ہے۔ خدا ہمیں دین میں افراط و تفریط اور غلو سے بچائے! اور حضرات صحابہؓ کے نقشِ قدم پر چلائے کہ وہ افراط و تفریط کے درمیان راہِ وسط و عدل اور ہدایت مستقیم پر گامزن تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

شرک کہاں؟ یہ تو سنتِ رسولؐ ہے | مخفی نہ ہے کہ یہ اجازت صرف زائر حاضر کیلئے ہے جو روضۂ اقدس پر موجود ہے۔ غائب اپنی جگہ پر حضورؐ کو حاضر و موجود جان کر بصیغہ خطاب و خاص تنوع اور اہتمام السلام علیک یا رسول اللہ کہنا کیسے شرک ہو گیا یہ تو عین سنتِ رسولؐ ہے۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عام مسلمان موتی کو یا سے خطاب فرماتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں قبروں کے قریب سے گزرے تو ان کی طرف منہ کر کے فرمایا :-

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ۔ رواہ الترمذی سلہ | اے قبر والو! تم پر سلامتی ہو اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں بخشے تم ہمارے پیش رو ہو اور ہم تمہارے پیچھے آنے والے ہیں۔

گویا جو چیز عام موتی مسلمانوں کیلئے جائز ہی نہیں بلکہ محمود و مستحسن اور سنت ہے وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے جائز نہیں، صرف جائز نہیں نہ بلکہ حرام اور شرک ہے۔ ۵ ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہئے؟ ؎ خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے؟

کیا اسلام کی یہی تعلیم اور توحید کا یہی تقاضا ہے کہ مسلمان نبوتِ محمد کو اپنے برابر بھی نہ سمجھیں اور اپنی سطح سے بھی حضورؐ کا مقام فروتر جانیں۔ معاذ اللہ!

درود کی حقیقت | جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے درود رسول کریمؐ کیلئے رب رحیم سے رحمت طلبی کی دعا و درخواست ہے اسلئے اسکا تعلق ذاتِ پاک باری تعالیٰ سے ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی دعا سنتا ہے اور اپنے حبیب پاکؐ پر رحمت نازل کرتا ہے۔ حضور کریمؐ پر صلوٰۃ و سلام سنیں یا نہ سنیں اس سے نفسِ درود و دعا پر کوئی اثر نہیں۔ اور یہ سماعِ سلام ایک مسئلہ خبر و سماعات دینی میں ہے۔ جس پر کفر و اسلام کا مدار نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی بندۂ خدا حضورؐ کے سماعِ سلام کا منکر ہے تو وہ کافر نہیں ہے۔ اگر کوئی اسکا منکر ہے تو وہ زیادتی کرتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی حضورؐ کے سماعِ سلام اور جواب مرحمت فرمانے کے قائل کو مشرک کہتا ہے تو وہ بھی بلاشبہ جہالت و کم ظرفی کا مرتکب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو افراط و تفریط سے بچائے اور راہِ وسط و عدل صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد وآلہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

سید نور الحسن بخاری دار التصنیف والاشاعۃ قدیر آباد۔ ملتان شہر {۲۴ شوال ۱۳۹۵ھ مطابق ۳۰ اکتوبر ۱۹۷۵ء}

سلہ ملاحظہ ہو "الرد علی الاخنائی" ص ۱۹۲ سلہ "فتاوی ابن تیمیہ" جلد ۲ ص ۴۴ سلہ "مشکوٰۃ المصابیح" باب زیارت القبور